باب سوم

موضوعاتی مطالعہ

(الف) ایمانیات اور عبادات

۱۔ عقیدۂ توحید

مقاصد تدریس

اس سبق کے مطالعہ کے بعد طلباء اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- ☆ عقیدہ کا مفہوم بیان کر سکیں گے۔
- ☆ توحید کا مطلب' عقیدۂ توحید اور اس کی اہمیت بیان کر سکیں گے۔
- ☆ توحید کے تقاضوں کی واضح تشریح کر سکیں گے۔

عقیدۂ توحید

دینِ اسلام کا پہلا بنیادی اور اساسی عقیدہ "عقیدۂ توحید" ہے۔ دوسرے تمام عقائد اور اعمال اسی پر مبنی ہیں۔ اگر توحید اپنی حقیقی شکل میں موجود ہو تو باقی تمام عقائد اور اعمال بھی نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ توحید کا لفظ وَحَدَ سے بنا ہے۔ جس کا مطلب 'اکیلا' تنہا اور یکتا ہے۔ شریعت کی رو سے توحید کا مطلب قولاً اور عملاً اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا' اسی کی عبادت کرنا' اسی کے سامنے جھکنا' اسی سے مدد مانگنا' اسی کے حضور عاجزی اور التجا کرنا' اسی کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرنا' خالق اور مالک اسی کو سمجھنا' اسی کے قانون کو قانون ماننا' اس کی عبادت اور بندگی میں کسی کو کسی حیثیت سے شریک نہ ٹھہرانا' اسے سب سے اعلیٰ اور برتر ذات سمجھنا اور اسکے واحد و یکتا ہونے پر ایمان لانا توحید کہلاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں سب سے زیادہ آیات توحید ہی کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں۔ کیونکہ اسلام جن عقائد و افکار کی بنیاد پر نظامِ زندگی کی تعمیر کرنا چاہتا ہے اس کی حقیقی روح توحید ہی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۃ البقرۃ۔۲:۱۶۳)

ترجمہ:۔ "تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو جس کام پر مامور فرمایا وہ قرآن کے الفاظ میں یہ ہے۔

ترجمہ:۔ ''اے گروہِ پیغمبران لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں''۔

توحید فطرت کا تقاضا ہے اور ایک ایسا عقیدہ ہے جو ہر آئین کی رو سے مسلّم ہے۔ دنیا کے پہلے بشر و نبی حضرت آدم علیہ السلام نے توحید ہی کی تعلیم دی اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے اس توحید کی عظیم ترین حقیقت کے سارے پہلو اپنی امت کے سامنے مکمل طور پر واضح کر دیئے اور سختی کے ساتھ اس عقیدے پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے توحید کے سلسلے میں یہ کہلوایا کہ:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ (سورۃ الاخلاص ۱۱۲: ۱۔۴)

ترجمہ:۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے''۔

خالص توحید یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے کیونکہ اس کی ذات بے مثل ہے' یکتا ہے' بالکل پاک ہے اور تمام عیوب سے مبرا ہے اور تمام نقائص سے منزہ ہے' نہ اس کے علم میں کوئی کمی ہے نہ اس کی قدرت میں کوئی نقص کہ اسے پورا کرنے کے لئے کسی اور کی ضرورت ہو' وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کو فنا اور زوال نہیں۔ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ حیات و موت اسی کے قبضہء قدرت میں ہیں۔ وہ تمام موجودات کا مالک ہے۔ زمین و آسمان کا ہر گوشہ اس کی نظر میں ہے۔ ذرہ ذرہ اپنے اسلوب و انداز میں اس کی تسبیح کررہا ہے۔

عقیدۂ توحید پر پختہ ایمان انسان کو تسلیم و رضا کی اس معراج پر پہنچا دیتا ہے کہ انسان خود کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی اولین شرط قرار پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات

اللہ کی تخلیقات پر سوچنے' زمین و آسمان میں قدرت و حکمت کے کرشموں اور نشانیوں پر غور کرنے اور نظامِ کائنات کی حیرت انگیز تدبیروں پر نگاہ ڈالنے سے خدا کی ہستی پر گہرے یقین کے ساتھ ساتھ ایمان کی یہ بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام برتر صفات کا مالک' قوت و اقتدار کا مرکز اور جمال و کمال کا سرچشمہ ہے۔ اس جیسی صفات کسی اور میں نہیں ہیں۔

یعنی خدا کے بے حد و حساب تخلیقی کارنامے' غیر محدود قدرت و حکمت کے کرشمے اور بے پایاں کمالات و عجائب کا شمار

کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ آیئے اللہ کی کچھ صفات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اللہ ہر چیز کا خالق ہے

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (سورۃ الزُّمر۔۳۹:۶۲)

ترجمہ:۔ ''اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے

اللہ ہی رزق دینے والا اور پالنے والا ہے

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (سورۃ یونس۔۱۰:۳۱)

ترجمہ:۔ ''ان سے پوچھیئے' وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی بہم پہنچاتا ہے؟ کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارے سننے اور دیکھنے کی قوتیں ہیں؟ کون ہے جو بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون ہے جو اس کارخانہ ہستی کا انتظام کر رہا ہے؟ وہ یہی کہیں گے کہ اللہ! تو کہیئے' پھر تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں''

یعنی خدا ہر پرندے کے آشیانے' ہر کیڑے کے بل اور ہر درندے کی جھاڑی اور غار سے بخوبی واقف ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہر جاندار کہاں اپنی جان خدا کے حوالے کرے گا۔ پس ایسا وسیع اور کامل علم رکھنے والا پروردگار ہی ہر جاندار کو روزی پہنچاتا ہے اور وہ کسی کو روزی سے محروم نہیں کرتا۔

اللہ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے

وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ○ع (سورۃ الطلاق۔۶۵:۱۲)

ترجمہ:۔ ''اور اللہ اپنے علم سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے''۔

(یعنی کوئی چیز بھی خدا کے دائرۂ علم سے باہر نہیں)۔

غیب کا علم صرف اللہ کے پاس ہے

وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ (سورۃ التوبہ۔۹:۷۸)

ترجمہ:۔ '' اور یہ کہ غیب کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں''۔

اللہ تعالیٰ تو وہ عظیم ہستی ہے جو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔ جو ظاہر کیا جاتا ہے وہ اسے بھی دیکھتا ہے اور جو اس سے چھپایا جاتا ہے وہ اس سے بھی باخبر ہوتا ہے۔

ہر چیز کا مالک اللہ ہے

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ (سورۃ آل عمران ۔۳:۱۰۹)

ترجمہ:۔ ’’اور اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے ان ساری چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں‘‘

توحید کے تقاضے

توحید کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے ربّ سے سچی محبت اور عقیدت رکھے۔ اللہ کی رضا کو ہر دوسرے کی رضا پر مقدم رکھے اور خدا کی محبت تمام محبتوں پر غالب کر دے۔

توحید کا ایک بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنے ربّ کا شکر ادا کرے جس نے اسے زندگی دی۔ زندگی گزارنے کے لئے ہر نعمت مہیا کی۔ قرآن اس سلسلے میں کہتا ہے کہ:

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ؕ (سورۃ البقرۃ ۔۲:۱۷۲)

ترجمہ:۔ ’’اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خالص اسی کی بندگی کرنے والے ہو‘‘۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرنا بھی توحید کا تقاضا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ؕ (سورۃ بنی اسرائیل ۔۱۷:۲۳)

ترجمہ:۔ ’’ اور تمہارے پروردگار نے قطعی فیصلہ فرما دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو، صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرو‘‘۔

اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اختیار کرنا اس کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کرنا اور ہر معاملے میں اس کی طرف رجوع کرنا اور اسی سے مدد چاہنا بھی توحید کے بنیادی تقاضے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ (سورۃ الفاتحہ ۔۱:۴)

ترجمہ:۔ ’’ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں‘‘۔

یعنی خدا کی بندگی کرنے اور سیدھی راہ پر قائم رہنے میں بھی ہم خدا ہی سے مدد چاہتے ہیں، اور زندگی کی دوسری مشکلات میں بھی خدا ہی سے مدد کے طالب ہیں۔

توحید کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت پر مکمل بھروسہ کیا جائے۔ اسکی ذات سے کبھی مایوس اور نا اُمید نہ ہوا جائے۔ ہر حال میں اس کے احکامات اور قوانین کی پیروی اور اطاعت کی جائے۔

مشق

1۔ ذیل میں دیئے گئے سوالات کے جوابات اپنی کاپیوں پر لکھیں۔

(i عقیدہ سے کیا مراد ہے؟ عقیدہ اور ایمان میں کیا فرق ہے؟

(ii عقیدۂ توحید کی وضاحت قرآنی حوالہ جات کی مدد سے کریں۔

(iii قرآن مجید کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی چند صفات بیان کریں۔

(iv توحید کے تقاضوں پر روشنی ڈالیں۔

2۔ خالی جگہ پُر کریں۔

(i شریعت کی رو سے توحید کا مطلب .... اور .... اللہ کو ایک ماننا ہے۔

(ii توحید کا لفظ .... سے بنا ہے۔

(iii توحید .... کا تقاضا ہے۔

(iv اللہ ہی تمام برتر صفات کا مالک قوت واقتدار کا مرکز اور جمال وکمال کا .... ہے۔

(v توحید کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی .... کے لئے مخصوص ہو جائے۔

(vi کوئی چیز بھی خدا کے دائرہ .... سے باہر نہیں۔

(vii اور اسی کے پاس غیب کی .... ہیں۔

3۔ درج ذیل جملوں میں اشارہ ڈھونڈیئے۔

(i اسلام کا بنیادی اساسی اور پہلا عقیدہ ہے۔

(ii اس مختصر سی سورت میں توحید کی مکمل تصویر پیش کی گئی ہے۔

(iii وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

(iv یہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی اولین شرط ہے۔

(v اسی (اللہ) کا اقتدار ہے آسمانوں اور زمین میں۔

(vi اللہ سے محبت کرنا' اسی کی بندگی کرنا اور اسی سے مدد مانگنا۔

(vii اس جیسا کوئی نہیں۔

4۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

(i عقیدہ توحید کی تعریف کریں۔

(ii قرآن کے بیان کے مطابق اللہ نے انبیاء کو کس کام پر مامور فرمایا تھا؟

(iii توحید فطرت کا تقاضا کیوں ہے؟

(iv خالص توحید کیا ہے؟

(v عقیدۂ توحید پر پختہ ایمان انسان کو کہاں پہنچا دیتا ہے؟

(vi توحید کا خلاصہ کیا ہے؟

(vii بندے کو اپنے ربّ سے کس قسم کی محبت رکھنی چاہیے؟

(viii عقیدۂ توحید پر ایمان لانا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی اولین شرط کیوں ہے؟

۲۔ عقیدۂ رسالت

مقاصد تدریس

اس سبق کے مطالعہ کے بعد طلباء اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ☆ رسالت کا مفہوم بیان کر سکیں گے اور انبیاء کی ضرورت اور ان کی خصوصیات بیان کر سکیں گے۔
- ☆ اطاعت و اتباع کی اہمیت جان سکیں گے۔
- ☆ ضرورتِ رسالت و نبوت بیان کر سکیں گے۔
- ☆ حب رسول ﷺ کے جذبات کی ترجمانی کر سکیں گے۔
- ☆ ختم نبوت کا مفہوم بیان کر سکیں گے۔

نبوت و رسالت۔ معنی و مفہوم

نبی عربی لفظ ''نبأ'' کے مادے سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں بڑی خبر۔ نبی کو نبی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بہت بڑی خبر دینے آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کتاب اللہ کی حقانیت اور آخرت کے قائم ہونے کی خبر۔ جبکہ رسالت گرامر کے لحاظ سے مصدر ہے جس کے لغوی معنی بھیجنا' پیغام پہنچانا اور خط و کتابت کرنا۔ اصطلاح شریعت میں اللہ تعالیٰ کا کسی برگزیدہ بندے کو انسانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے بھیجنا رسالت کہلاتا ہے۔

انسان بلاشبہ اشرف المخلوقات پیدا کیا گیا مگر اس کے باوجود بھی اس کی عقل' فکر اور وجدان (قلبی قوت) میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا و ہدایات کو خود سے معلوم کر سکتا اور زندگی کے مقصد کو سمجھ سکتا کہ اسے پیدا کیوں کیا گیا ہے' اسے پیدا کرنے والا کون ہے' اس کائنات کی تخلیق کا کیا مقصد ہے' اس دنیا میں کس طریقے سے زندگی گزارنی ہے' اچھے اور برے راستے کون کون سے ہیں' اچھے راستوں پر چل کر اسے کیا حاصل ہوگا اور برے راستوں کو چن کر اسے کیا انجام دیکھنا پڑے گا۔ موت کے بعد کیا ہوگا' کیا دنیاوی زندگی کا حساب کتاب دینا ہوگا' جزا اور سزا بھگتنی پڑے گی' حیات بعد الموت ہوگی اور اس دنیا میں خیر و صلاح اور سعادت و فلاح کے راستے نیز تباہی کی طرف جانے والے راستے کون سے ہیں۔

ایسی صورت حال میں ممکن نہیں تھا کہ اللہ رب العالمین اپنے احکام و مرضیات اور ہدایات کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے کوئی خارجی انتظام نہ کرتا۔ چنانچہ اس نے یہ انتظام کیا اور اپنے برگزیدہ اور منتخب بندوں کو اپنی تعلیمات کے ساتھ بنی نوع انسانوں میں ہدایت دینے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا۔ اسی کو دین کی اصطلاح میں رسالت کہا جاتا ہے اور یہ پیغامِ الٰہی لانے والے اشخاص ''رسول'' کہلاتے ہیں۔

اسلام کے سلسلہ عقائد میں توحید کے بعد رسالت ہی کا درجہ ہے۔ خدا نے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا اسے رسالت عطا فرمائی۔ اس سلسلے میں قرآن کی سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط (سورۃ الانعام:۶:۱۲۴)

ترجمہ:۔ ''اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنی چاہئے''

رسول کو نبی بھی کہتے ہیں۔ نبی اور رسول میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ رسول نئی شریعت کا حامل ہوتا ہے جبکہ نبی نئی شریعت یا کتاب لیکر نہیں آتا۔ نبی اور رسول دونوں خدا کے منتخب بندے ہوتے ہیں جو بنی نوع انسان کو خیر کے راستے کی بشارت دیتے ہیں اور غلط راستوں پر چلنے کے انجام سے ڈراتے ہیں۔

ضرورت نبوت ورسالت

انبیاء اور رُسل اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور احکامات کی پوری پوری اور مکمل تشریح کرتے ہیں۔ تشریح کا عمل صرف متن اور اس کے لفظوں تک محدود نہیں ہوتا بلکہ عمل اس کا سب سے اہم جزو ہوتا ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے اس عملی مظاہرے ہی کو ان کی سنت کہا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت چونکہ انبیاء اور رسولوں کے وسیلے اور ذریعے ہی سے عام انسانوں تک پہنچی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص رسولوں کی اطاعت و پیروی کے بغیر خدا سے براہ راست تعلق جوڑنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اسلامی نقطہ نظر سے راہِ راست پر ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِؕ (سورۃ النساء۔۴:۶۴)

ترجمہ:۔ ”انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ ان کی اللہ کے حکم سے اطاعت اور پیروی کی جائے“۔

چونکہ رسالت کا مقصد خدا کے پیغام سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے۔ لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر اُمت میں رسول بھیجے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا (سورۃ النحل۔۱۶:۳۶)

ترجمہ:۔ ”اور ہم نے ہر قوم (امت) میں رسول بھیجے“

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایات کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کو وحی کے ذریعے اپنی تعلیمات سے متعارف کروایا تاکہ یہ بنی نوع انسان کی ہدایت کا سبب بن سکیں۔ اس اعتبار سے تمام انبیاء پر ایمان رکھنا انہیں سچا اور پاکباز ماننا' ان کی عزت' ادب اور احترام کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ بعض رسولوں پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا کفر ہے۔

انبیاء کی بعثت کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں' خدا کی جانب سے آنے والی یہ روشنی ہمیشہ ایک رہی ہے اور وہ روشنی ہدایت و رہنمائی کی روشنی ہے۔

حبِّ رسول

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ (سورۃ الاحزاب۔۳۳:۶)

ترجمہ:۔ ”نبی مسلمانوں کے لئے ان کی اپنی جانوں سے بھی مقدم ہیں“

آنحضور ﷺ کی بے مثل شفقت و رحمت اور بے پایاں احسان کا تقاضا یہی ہے کہ مومنین خدا کے رسول کو نہ صرف اپنے ماں باپ' اولاد اور عزیز و اقارب سے زیادہ عزیز رکھیں' بلکہ خود اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز رکھیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص تم میں سے مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے لئے اس کے ماں باپ' اولاد اور دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں"۔ (بخاری و مسلم)

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت جزوِ ایمان ہے۔ آپ ﷺ سے فقط رسمی اور ظاہری محبت مطلوب نہیں ہے بلکہ ایسی محبت مطلوب ہے جو تمام محبتوں پر غالب آجائے۔ جس کے مقابلے میں ہر رشتہ اور محبوب سے محبوب تعلق بھی پیچھے رہ جائے۔ جس کے لئے زمانے اور زمانے کی ہر چیز کو چھوڑا جاسکتا ہو۔ کیونکہ حبیب خدا ﷺ سے محبت اور عشق ہوگا تو ایمان کامل ہوگا۔

ایک سچا مسلمان نبی پاک ﷺ سے حقیقی محبت کا حق اس طرح ادا کرسکتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی دل و جان سے اطاعت و پیروی کرے' آپ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرنے کی ہر ممکن کوشش و سعی کرے' زندگی کے ہر معاملے میں آپ ﷺ کی طرف رجوع کرے اور آپ ﷺ پر بہت زیادہ درود بھیجے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (سورۃ الاحزاب۔۳۳:۵۶)

ترجمہ:۔ "اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو"۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن لوگوں میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو کہ مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف بھیجنے والا ہوگا"۔ (سنن الترمذی' کتاب الصلوٰۃ۔ ح۔۴۸۴)

اطاعت واتباع

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ۝ (سورۃ النساء۔۴:۶۴)

ترجمہ:۔ "انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ ان کی اللہ کے حکم سے اطاعت اور پیروی کی جائے"۔

اگر کوئی شخص رسول کی اطاعت کے بغیر براہ راست اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرنا چاہے تو اسلامی نقطہ نظر سے وہ راہِ راست پر نہیں ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد ہدایت صرف آپ ﷺ کی پیروی اور اطاعت کا نام ہے۔ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا وسیلہ تلاش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مقبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے قرآنِ حکیم میں بار بار اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔ یعنی اللہ کی اطاعت قابلِ قبول ہوہی

نہیں سکتی اگر اس کے محبوب بندے اور نبی حضرت محمد ﷺ کی اطاعت نہ کی جائے۔ یہ بات ویسے بھی عقل کے مطابق ہے کہ اسلامی شریعت انسانوں تک رسول اللہ ﷺ کے وسیلے سے ہی پہنچی ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ تشریف نہ لاتے تو ہمیں نہ اللہ کی وحدانیت کا علم ہوتا نہ اس کے احکامات کی خبر ہوتی۔ اس کے علاوہ اللہ کے رسول کی حیثیت محض پیغام رساں کی نہ تھی بلکہ حضرت محمد ﷺ انسانوں کے ہادی اور رہبر تھے اور آپ ﷺ کے ہر قول اور ہر فعل کا اتباع درحقیقت اللہ کے حکم کا اتباع ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر۔۵۹:۷)

ترجمہ:۔ "رسول ﷺ جو ہدایات تمہیں دیں قبول کرلو ان پر عمل کرو اور جن باتوں سے منع کریں ان سے رُک جاؤ"۔

ختمِ نبوت

جب انسانی تمدن نے ارتقاء کی منزلیں طے کرلیں اور وہ اس مقام پر پہنچ گیا کہ جہاں سے کسی خاص نبی کا پیغام عام ہو سکے اور دوسری طرف ہدایتِ حق کو قبول کرنے والوں کی ایک امت بھی بن گئی جو کتابِ الٰہی اور نبی کی سیرت کو مِن وعَن محفوظ رکھ سکے تو سلسلۂ نبوت و رسالت آنحضرت ﷺ پر سارے اوصافِ کمال کے ساتھ ختم کردیا گیا' اور قیامت تک باقی رہنے والی تعلیمات پر مشتمل نیز ہمہ گیر خصوصیات رکھنے والی اور ساری انسانیت کو مخاطب کرنے والی کتاب قرآن مجید نازل فرما کر وحی کا سلسلہ بھی ختم فرما دیا گیا۔ اب کسی کو مزید اس کام پر مامور کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لئے حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغمبر بنا کر ساری انسانیت کی ہدایت و رہبری کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کے بعد نہ تو کوئی نبی آئے گا' نہ کوئی کتاب نازل ہوگی' نہ کوئی دین آئے گا' نہ کوئی شریعت آئے گی' نہ کوئی وحی آئے گی اور نہ کوئی اللہ کا پیغام آئے گا۔ قرآنِ مجید کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کی ساری ہدایات اور ساری تعلیمات نیز سیرت اور اُسوہ کی تفصیلات کا سارا ذخیرہ آج بھی موجود ہے۔ ختمِ نبوت کا ثبوت ہمیں قرآن سے ملے گا' احادیث میں ملے گا اور اس عقیدے پر ہمیشہ سے اجماعِ امت رہا ہے۔ کسی چیز کے حق ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ قرآن بھی کہہ رہا ہو اور احادیث میں بھی واضح طور پر ثبوت موجود ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ (سورۃ الاحزاب۔۳۳:۴۰)

ترجمہ:۔ "محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں"۔

تمام مفسرین خاتم النبیین کے معنی "آخری نبی" بیان کرتے ہیں۔

ختم نبوت کے سلسلے میں قرآن مجید کی کچھ اور آیات میں بھی واضح اشارے موجود ہیں۔ آپ ﷺ پر سلسلہ نبوت کے اختتام کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سارے انسانوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے گئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ o (سورۃ السبا۔۳۴:۲۸)

ترجمہ:۔ ”اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو تمام انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“۔

سورۃ اعراف میں کہا گیا کہ:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا o (سورۃ الاعراف ۷:۱۵۸)

ترجمہ:۔ ”اے نبی ﷺ کہہ دیجئے‘ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں“۔

سورۃ انبیاء میں کہا گیا کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ o (سورۃ الانبیاء۲۱:۱۰۷)

ترجمہ:۔ ”اور اے نبی ﷺ! ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام جہان والوں کے لئے رحمت کے طور پر“۔

قرآن و سنت کے بعد تیسرے درجے میں اہم ترین حیثیت صحابہ کرامؓ کے اجماع کی ہے۔ یہ بات تمام معتبر تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے فوراً بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ان سب کے خلاف صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق جنگ کی تھی۔ اس سلسلے میں خاص طور پر مسلیمہ کذاب کا معاملہ قابل ذکر ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید کے مطالعے سے ہمیں ان حالات کا پتہ چلتا ہے جن میں نبی کی تقرری کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً نبی کے تقرر کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب اس امت میں پہلے نبی نہ بھیجا گیا ہو یا نبی کے تقرر کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب گزرے ہوئے نبی کی تعلیم بھلا دی گئی ہو اس کی تعلیمات اور شریعت میں تحریف ہو گئی ہو اور اس کے احکامات کی پیروی کرنا مشکل اور ناممکن ہو گیا ہو یا نبی کے تقرر کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے کہ جب پہلے گزرے ہوئے نبی کے ذریعے سے مکمل تعلیم و ہدایت لوگوں کو نہ ملی ہو اور تکمیلِ دین کے لئے مزید انبیاء کی ضرورت ہو۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ضرورت بھی نبی اکرم ﷺ کے بعد باقی نہیں رہی ہے۔ پس حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا‘ نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے اور اب آپ ﷺ کے بعد جو لوگ بھی رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے وہ دجال اور کذاب ہیں اور اسلام کے دائرہ سے باہر ہیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مشق

1۔ مناسب لفظ لگا کر خالی جگہ پُر کریں۔

i) رسالت کا مطلب ہے..............۔ (آگاہ کر دینا ۔ پیغام پہنچانا ۔ خبردار کرنا)

(ii پیغام الٰہی لانے والے اشخاص .... کہلاتے ہیں۔ (اولیاء۔ علماء۔ رسل وانبیاء)

(iii اسلام کے سلسلہ عقائد میں رسالت کا .... درجہ ہے۔ (پہلا ۔ دوسرا ۔ تیسرا)

(iv اللہ نے اپنے پیغمبروں کو .... کہہ کر پکارا ہے۔(بشیرونذیر۔اشرف المخلوقات۔عام انسان)

(v کوئی بھی ایسی .... نہیں جس میں کوئی رسول نہ آیا ہو۔ (ریاست۔قوم۔مملکت)

(vi بعض رسولوں پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا .... ہے۔(کفر۔شرک۔بغاوت)

(vii آنحضرت ﷺ کی اطاعت مسلمانوں پر .... ہے۔ (ضروری۔فرض۔سنت)

(viii شریعت کا دوسرا بڑا ماخذ .... ہے۔ (قرآن ۔ سنت ۔ اجماع)

2۔ درست اور غلط جملوں کی نشاندہی کریں۔

(i رسول حامل شریعت نہیں ہوتا ہے۔ ☐

(ii بشیر بشارت دینے والے اور نذیر ڈرانے والے کو کہتے ہیں۔ ☐

(iii انسان کی عقلی فکری اور وجدانی قوتوں میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو خود سے معلوم کر سکتا ہو۔ ☐

(iv حبِ رسول ﷺ جزو ایمان ہے۔ ☐

(v اسلامی شریعت اللہ کی طرف سے براہ راست انسانوں تک پہنچی ہے۔ ☐

(vi اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں نبی اور رسول بھیجے ہیں۔ ☐

(vii تمام انسان اپنی اصل اور مقصد کے لحاظ سے ایک ہی امت ہیں۔ ☐

(viii آنحضرت ﷺ پر اللہ تعالیٰ بھی درود بھیجتے ہیں۔ ☐

(ix خاتم النبیین کا مطلب ہے آخری نبی۔ ☐

(x سلسلہ نبوت کے اختتام کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سارے انسانوں کیلئے ذریعہ ہدایت بنائے گئے۔ ☐

(xi قرآن وسنت کے بعد تیسرا اہم ترین درجہ اجتہاد کا ہے۔ ☐

3۔ مختصر جواب تحریر کریں۔

(i انسانوں نے اللہ کے احکام اور مرضیات کو کس طرح سے سمجھا؟

(ii دین کی اصطلاح میں رسالت کسے کہا جاتا ہے؟

(iii رسول اور نبی کے لغوی معنی بتائیے۔

(iv اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بشیر و نذیر کیوں کہا ہے؟

(v دین میں سنت سے کیا مراد ہے؟

(vi کیا نبی کی اطاعت کے بغیر اللہ سے براہ راست تعلق جوڑا جا سکتا ہے؟

(vii انبیاء کی بعثت کا مقصد بیان کریں۔

(viii اللہ نے نبیوں کو اپنی تعلیمات سے کیسے متعارف کرایا؟

(ix کچھ نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا اور کچھ پر ایمان نہ لانا کفر کیوں ہے؟

(x نبی اور رسول اپنی امت کے لوگوں کو تاریکی سے نکال کر نور میں لاتے ہیں۔ نور سے کیا مراد ہے؟

(xi نبی پاک ﷺ سے محبت کے اظہار کا کوئی ایک ذریعہ بتائیے۔

(xii آنحضرت ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔ اس بات کی وضاحت کریں۔

(xiii عقیدۂ ختم نبوت سے کیا مراد ہے؟

(xiv ایمان کا اصل مزہ کون سے لوگ چکھتے ہیں؟

4۔ مندرجہ ذیل جملوں میں اشارہ ڈھونڈیے۔

(i یہ اشرف المخلوقات ہے۔

(ii یہ حاملِ شریعت ہوتا ہے۔

(iii آنحضرت ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں؟

(iv ان کا کام لوگوں کو حق کا راستہ دکھانا ہوتا ہے۔

(v یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے۔

(vi یہ اکتسابی نہیں وہبی چیز ہے۔

(vii یہ اللہ کی ہدایات اور احکامات کی پوری پوری اور مکمل تشریح کرتے ہیں۔

(viii یہ رسولوں کے ذریعے ہی عام انسانوں تک پہنچی ہے۔

(ix یہ ایمان کے کامل ہونے کی شرط ہے۔

(x میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

باب سوم

(ب) سیرتِ طَیِّبہ/ اُسوۂ حَسَنہ

ا۔ بعثت نبوی ﷺ

مقاصد تدریس

اس سبق کا مطالعہ کر کے طلباء اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ☆ بعثت نبوی ﷺ کا مفہوم جان سکیں گے۔
- ☆ جب حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ کی کیفیت بیان کر سکیں گے۔
- ☆ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو کیا تسلی دی کو بیان کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو نبوت عطا کرنے سے پہلے ہی تمام ظاہری و باطنی آلائشوں سے پاک رکھا تاکہ نبوت کے بعد کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ مل سکے۔ چونکہ آئندہ چل کر آنحضرت ﷺ کو ایک منصبِ جلیل ملنے والا تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے آپ ﷺ کو فطرتِ سلیم عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ بچپن ہی سے آپ ﷺ کا دامنِ اخلاق ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رہا اور آپ ﷺ نے رسومِ جاہلیت میں سے کسی میں حصہ نہیں لیا اور خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (موطا امام مالک)

ترجمہ: ''مجھے مکارمِ اخلاق (اچھے اخلاق) کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے''

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ذاتِ مقدس ﷺ میں تمام محاسن و مکارمِ اخلاق جمع تھے اور کیوں نہ ہوں جبکہ آپ کا معلّم حق تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمہ کے بارے میں آپؓ سے دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ'' یعنی ''آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا''۔ اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو کچھ قرآنِ کریم میں اخلاق و صفاتِ محمودہ مذکور ہیں آپ ﷺ ان سب سے متصف تھے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ طبعاً ان رسوم و عادات سے متنفر تھے' جو پیغمبرانہ وقار کے منافی ہو سکتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ اپنے لڑکپن اور شباب میں قوم کو جس تاریکی میں ڈوبا ہوا دیکھ چکے تھے' اس پر آپ ﷺ کی طبیعت میں بے چینی سی رہتی اور آپ ﷺ حق کی تلاش و جستجو میں رہتے۔ دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ ﷺ کو ہیچ نظر آتے تھے۔ لیکن مطلوبِ حقیقی کا پتہ اب تک نہ تھا۔ یہی وہ کیفیت ہے جسے قرآنِ حکیم میں ''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں ضَآلًّا سے مراد گم کردہ راہ نہیں بلکہ حق کا متلاشی ہے۔

حق کی روشنی (نزول وحی)

حق کی تلاش کے لئے آپ ﷺ کی طبیعت خلوت نشینی اور تنہائی کی طرف مائل ہونے لگی۔ آپ ﷺ اکثر مکہ سے باہر کوئی تین میل کے فاصلے پر پہاڑی سلسلہ فاران کے جبلِ نور کی ایک غار میں چلے جاتے، جس کا نام غارِ حرا تھا۔ یہ چار گز لمبی اور پونے دو گز چوڑی تھی۔ وہاں آپ ﷺ غور وفکر میں مصروف رہتے۔ جسے تَحَنُّث کہتے ہیں۔

عمر مبارک چالیس برس تھی، رمضان کا بابرکت مہینہ تھا اور آپ ﷺ غارِ حرا میں مشغولِ عبادت تھے کہ حضرت جبرائیلؑ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اللہ کا پیغام سنایا

حضرت عائشہؓ اس پورے واقعہ کو ان لفظوں میں بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر منصب رسالت پر فائز ہونے سے پہلے سچے خوابوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آپ ﷺ خواب میں جو دیکھتے وہ حقیقت ہوجاتا۔ آہستہ آہستہ آپ تنہائی پسند ہوگئے اور غارِ حرا میں عبادت کے لئے جانے لگے۔ کچھ روز وہیں قیام فرماتے پھر گھر آجاتے۔ حضرت خدیجہؓ چند روز کا کھانا بنا دیتیں اور آپ ﷺ اہلِ خانہ سے ملاقات فرما کر واپس تشریف لے جاتے۔ ایک روز عبادت کے دوران اللہ کا فرشتہ حضرت جبرائیلؑ اچانک نمودار ہوا اور آپ ﷺ سے کہا "اقراء" یعنی "پڑھیے"۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا "ما انا بقاری"، "میں پڑھنا نہیں جانتا"۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر فرشتے نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا اور مجھے زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ کر دوبارہ کہا کہ "پڑھیئے" میں نے پھر وہی جواب دیا کہ "میں پڑھنا نہیں جانتا" فرشتے نے پھر وہی عمل دوہرایا اور پھر پڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے تیسری مرتبہ بھی یہی جواب دیا کہ "میں پڑھنا نہیں جانتا" غرض تین مرتبہ یہی گفتگو رہی اور فرشتہ یہی عمل دوہراتا رہا۔ اس کے بعد فرشتہ نے سورۃ علق کی یہ آیات تلاوت کیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۝
اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۝ (سورۃ العلق۔۹۶:۱۔۵)

ترجمہ۔ "اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا پروردگار بہت کرم کرنے والا ہے۔ جس نے قلم (تحریر) کے ذریعے (انسان کو) علم سکھایا، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جس سے وہ ناواقف تھا"۔

آنحضرت ﷺ نے ان آیات کو دہرایا اور وہ آپ ﷺ کو یاد ہوگئیں۔ پہلی وحی کے بعد آپ ﷺ پر کپکپاہٹ طاری تھی جسمِ مبارک شدتِ وحی سے کانپ رہا تھا۔ آپ ﷺ غارِ حرا سے نکلے اور اپنے گھر کی طرف چلے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔ ''مجھ پر چادر ڈال دو مجھے جان کا خوف ہے''۔ حضرت خدیجہؓ نے فوراً کپڑا اوڑھا دیا۔ جب آپ ﷺ کو کچھ سکون حاصل ہوا تو وفا شعار بیوی کو سارا واقعہ سنایا۔ واقعہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے کہا۔ ''خدا کی قسم خدا آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کی تواضع، بیچاروں کی چارہ گری فرماتے ہیں اور مفلسوں کی معاشی مدد کرتے ہیں اور حقداروں کی مدد کرتے ہوئے اسے اس کا حق دلاتے ہیں''۔

وفا شعار بیوی کی یہ باتیں سن کر آنحضرت ﷺ کو بے حد سکون ملا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل عیسائی عالم تھے اور انجیل کی کتابت کیا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے انہیں پورا واقعہ سنایا۔ واقعہ سن کر ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق کی اور کہا۔

هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي كَانَ يَنْزِلُ عَلَى مُوسىٰ

ترجمہ۔ ''یہ وہ فرشتہ (جبرائیل) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحیِ الٰہی لے کر آیا کرتا تھا''۔

ورقہ بن نوفل نے کہا کہ ''کاش میں جوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب قوم آپ کو نکال دے گی''۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ''کیا قوم مجھے نکال دے گی؟'' ورقہ بولا ''ہاں! اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی' اس سے شروع میں عداوت ہی ہوتی رہی۔ کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور ﷺ کی نمایاں خدمت کروں''۔ اس کے بعد آپ ﷺ بدستور غارِ حرا میں تشریف لے جاتے رہے۔ کچھ عرصہ تک آپ ﷺ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی۔ اس عرصہ کو زمانہ فترۃ الوحی کہا جاتا ہے۔ اس عرصے میں آپ ﷺ بہت بے چین رہا کرتے تھے۔ آپ ﷺ اسی حالت میں تھے کہ ایک دن جبرائیل علیہ السلام کا ظہور اس طرح ہوا کہ آسمان و زمین کے مابین ایک کرسی پر جلوہ فرما تھے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ گھر آئے اور خدیجہؓ سے فرمایا ''دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ'' یعنی مجھے کچھ اوڑھا دو۔ اور آپ ﷺ کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے لیکن اب اس مشن کو پھیلانے کا وقت آگیا تھا' جس کے لئے آپ ﷺ کو منتخب کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں۔

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ٥ قُمْ فَاَنْذِرْ ٥ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ٥
وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ٥ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ٥ (سورۃ المدثر ۷۴: ۱۔۵)

ترجمہ: ''اے چادر میں لپٹے ہوئے شخص! اٹھ اور لوگوں کو (عذابِ الٰہی) سے ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے صاف رکھ اور ناپاکی سے دور رہ''۔

یوں وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

مشق

1۔ ذیل میں دیئے گئے سوالات کے جوابات اپنی کاپیوں پر لکھیں۔

(i آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کے واقعہ کو اپنے الفاظ میں لکھیں۔

(ii آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والی سورۂ علق کی آیات میں کیا کہا گیا ہے؟ آسان لفظوں میں مفہوم بیان کریں۔

(iii حضرت خدیجہؓ نے وحی کا حال سن کر آپ ﷺ سے کیا کہا تھا؟ اپنے لفظوں میں بیان کریں۔

2۔ خالی جگہ مناسب الفاظ سے پُر کریں۔

(i آنحضرت ﷺ کو عمر کے .... برس میں نبوت کے منصب پر فائز فرمایا گیا۔
(پینتالیسویں۔ چالیسویں۔ اڑتالیسویں)

(ii پہلی وحی .... میں نازل ہوئی۔ (غارِ حرا۔ غارِ ثور۔ کوہ طور)

(iii آپ ﷺ کو ماہ .... میں نبوت ملی۔ (شوال۔ محرم۔ رمضان)

(iv وحی لانے والے فرشتے کا نام حضرت .... ہے۔ (میکائیل۔ جبرائیل۔ اسرافیل)

(v سورۂ علق کو سورۃ .... بھی کہتے ہیں۔ (اعراف۔ انعام۔ اقراء)

(vi ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے .... بھائی تھے۔ (خالہ زاد۔ ماموں زاد۔ چچازاد)

(vii ورقہ بن نوفل ایک عیسائی .... تھے۔ (طبیب۔ عالم۔ راہب)

3۔ اشارہ ڈھونڈیئے۔

(i عیسائی عالم، کاتبِ انجیل، نابینا اور عمر رسیدہ

(ii گوشۂ تنہائی۔ آنحضرت ﷺ کی پہلی عبادت گاہ۔ مکہ سے قریب

(iii پانچ آیات۔ علم کی اہمیت۔ غارِ حرا

(iv مجھے جان کا خوف ہے۔ جسم پر کپکپاہٹ۔ چادر اوڑھا دو

(v حوصلہ بڑھایا۔ خدا آپ ﷺ کو رسوا نہیں کرے گا۔ ورقہ بن نوفل سے مشورہ

4۔ مختصر جواب تحریر کریں۔

(i آنحضرت ﷺ غارِ حرا میں جا کر عبادت کیوں کیا کرتے تھے؟

(ii حضرت جبرائیلؑ نے پہلی وحی کے موقع پر آنحضور ﷺ کو اپنی گرفت میں لے کر کیوں بھینچا تھا؟

(iii پہلی نازل ہونے والی آیات میں کیا کہا گیا تھا؟ مقصد اور مفہوم بتائیں۔

(iv وحی کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ پر کپکپاہٹ اور رقت کیوں طاری ہوگئی تھی؟

(v حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو وحی کے نزول کے بعد ورقہ بن نوفل کے پاس کیوں لے گئی تھیں؟

۲۔ دعوت و تبلیغ

مقاصدِ تدریس

اس سبق کا مطالعہ کرکے طلباء اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ جان سکیں گے کہ:

- ☆ تبلیغ کا مفہوم کیا ہے۔
- ☆ قرآن میں تبلیغ کے متعلق کیا فرمایا ہے۔
- ☆ تبلیغ کی ابتداء کیسے ہوئی۔
- ☆ اعلانیہ تبلیغ کا آغاز کیسے ہوا۔

تبلیغ

تبلیغ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پیغام پہنچا دینا۔ آخری منزل تک پہنچانا' اچھی طرح پہنچانا یا پہنچانے میں انتہائی کوشش کرنا۔ تبلیغ کا اصطلاحی مفہوم دوسروں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔ یعنی اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا اور پوری طرح پہنچانا تبلیغ کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم میں بلاغ مبین کی ترکیب بھی استعمال ہوئی ہے۔ جس کے معنی کھول کھول کر بیان کرنا اور دوسروں تک بڑی وضاحت سے خدا کا پیغام پہنچانا ہے۔

تبلیغ غیر مسلم کو بھی ہو سکتی ہے اور مسلم کو بھی۔ جہاں غیر مسلم کے کانوں میں اسلام کا پیغام پہنچانا ہے وہاں مسلم کو بھی برائیوں سے پرہیز کرنے اور نیکی کی طرف زیادہ سے زیادہ میلان بڑھانے کیلئے تبلیغ کی ضرورت رہتی ہے۔

تبلیغ کی اہمیت

اسلام میں تبلیغ کی اہمیت کا اندازہ اس حکم سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دنیا میں مُبَلِّغ بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کو اس فرض کی طرف بار بار متوجہ کیا۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ (سورۃ المدثر ۷۴:۱۔۲)

ترجمہ: ''اے چادر میں لپٹے ہوئے اٹھ کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا''

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۝ (سورۃ المائدہ۔۵:۶۷)

ترجمہ: ''اے رسول اللہ ﷺ آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ پر اُترا ہے اسے دوسروں تک پہنچا دیں''۔

فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۝ (سورۃ الشوریٰ۔۴۲:۱۵)

ترجمہ: ''لوگوں کو دعوت دے اور مضبوط و قائم رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے''

تبلیغ کی ابتداء

نبوت سے سرفراز ہوتے ہی آنحضرت ﷺ نے اسلام کے پیغام کی اشاعت شروع کردی مگر ابتداء میں تبلیغ کو تین برس تک خفیہ رکھا گیا۔ خفیہ تبلیغ میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زید بن حارثؓ نے اسلام قبول کیا۔ اشاعتِ دین کے کام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوگئے پھر عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہؓ نے اسلام کو قبول کیا اسی خفیہ تبلیغ کے زمانہ میں حضرت بلال حبشیؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔

اعلانیہ تبلیغ

نبوت کو تین برس کا عرصہ گزر گیا۔ اس عرصے میں تبلیغ خفیہ طریقہ پر ہوتی رہی اور دعوتِ دین انفرادی طور پر دی جاتی رہی پھر اللہ رب العزت کا حکم ہوا کہ کھلے عام اسلام کا پیغام پہنچایا جائے۔ آنحضرت ﷺ پر سورۃ الشعراء کی وحی ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اعلانیہ تبلیغ کی جائے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے۔

اس حکم کے فوراً بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے پورے خاندان کو اپنے گھر دعوت پر مدعو فرمایا تاکہ مجلس میں لوگوں کو اللہ کا پیغام دے سکیں مگر ابولہب نے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا اور کھڑے ہوکر شانِ رسول ﷺ میں گستاخی کرنے لگا اور واضح طور پر کہہ دیا کہ اگر تم نے باپ دادا کے دین کی مخالفت نہیں چھوڑی تو ہم تمام لوگ تمہارے دشمن اور تم ہمارے دشمن ہو۔ اس طرح یہ محفل برخاست ہوئی اور پیارے نبی اللہ کا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچا سکے اگلے روز پھر تمام لوگوں کو کھانے پر بلایا گیا۔ اس مرتبہ آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اللہ کا پیغام رکھا اور کہا کہ جس راستے پر آپ لوگ چل رہے ہیں وہ درست نہیں ہے۔ میں آپ لوگوں کے لئے دین و دنیا کی نعمتیں لیکر آیا ہوں۔ اللہ کی پیروی اختیار کریں، اسی میں کامیابی ہے مگر ان ظالموں میں سے کسی کے دل پر ان باتوں کا اثر نہیں ہوا۔ پوری مجلس میں ایک نوعمر لڑکا اٹھا اور اس نے کہا کہ میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔ یہ بچہ شیرِ خدا حضرت علیؓ تھے۔ یہ محفل بھی برخاست ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے خاندان والوں سے ایسی امید ہرگز نہ تھی مگر آپ ﷺ مایوس نہیں ہوئے ایک روز آپ ﷺ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوگئے اور اہل قریش کو پکارا لوگ اکٹھے ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"لوگو! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پشت پر ایک لشکرِ جرار جمع ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم مجھے صادق سمجھو گے۔ لوگوں نے کہا ہم نے آپ ﷺ کو صادق اور امین پایا ہے۔ ہم آپ ﷺ کی بات پر ضرور یقین کریں گے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! میں تم کو خدائے واحد کی جانب بلاتا ہوں اور بت پرستی کی نجاست سے پاک کرنا چاہتا ہوں تم اس دن سے ڈرو جب اللہ کے سامنے حاضر ہوکر اپنے اعمال و کردار کا حساب دینا ہے"۔

یہ صدائے حق جب قریش کے کانوں میں پہنچی تو وہ حیران رہ گئے اور باپ دادا کے دین بت پرستی کے خلاف آواز سن کر

طیش میں آئے گئے۔ سب سے زیادہ طیش آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابولہب کو آیا۔ اس نے غضبناک ہوکر کہا ''تو ہمیشہ ہلاکت اور رسوائی کا منہ دیکھے' کیا تو نے یہ سنانے کے لئے ہمیں یہاں بلایا تھا''۔

جس شخص کے خصائلِ حمیدہ سے پوری قوم متاثر تھی جونہی اس نے انہیں حق کی دعوت دی تو یہی قوم ان کی دشمن اور خون کی پیاسی بن گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے خاندان اور برادری کے لوگوں کو راہِ حق دکھانے اور ان میں ایمان کی روشنی پیدا کرنے کی بہت کوشش کی مگر چند ایک کے علاوہ ان میں سے کسی نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک نہیں کہا۔ تب تبلیغ کی اشاعت کا اگلا مرحلہ آیا اور خدائے برحق کا حکم ہوا کہ اب خاندان کے دائرے سے آگے بڑھ کر مکہ اور اطرافِ مکہ کے قبائل و اقوام کو بھی اسلام کی دعوت دیں سورۃ الانعام یہی حکم لیکر آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔

سورۃ الشوریٰ میں بھی آنحضرت ﷺ کو یہی حکم ان لفظوں میں دیا گیا کہ۔

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ۝ (سورۃ الشوریٰ۔۴۲:۷)

ترجمہ۔ ''اور اسی طرح ہم نے تم پر قرآن نازل کیا عربی زبان میں تاکہ ڈراؤ شہر مکہ کے باشندوں کو اور ان کو جو اس کے آس پاس ہیں''۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تبلیغ حق کو مکہ تک محدود نہیں کیا بلکہ اطراف مکہ کے لئے عام کردیا اور طائف حنین اور یثرب (مدینہ) تک اپنی صدائے حق کو پہنچایا۔

آپ ﷺ کو بتا دیا گیا کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پوری دنیا کے لئے ہے اور اس پیغام حق نے پوری دنیا میں پھیلنا ہے۔

سورۃ السباء میں ارشاد ہوا کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ السباء۳۴:۲۸)

ترجمہ۔ ''اور ہم نے آپ ﷺ کو کائنات انسانی کے لئے پیغام دے کر بھیجا ہے (اعمال نیک) پر خوشخبری سنانے اور (اعمال بد) پر لوگوں کو ڈرانے کے لئے اور اکثر جاہل لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے''۔

پس آنحضرت ﷺ نے ہر طرح کی رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود بھی اسلام کے پیغام کی تبلیغ جاری رکھی اور اس پیغام کو ہر جگہ پہنچانے کی کوششیں اور بھی زیادہ تیز کردیں۔

مشق

1۔ ذیل میں دیئے گئے سوالات کے جوابات اپنی کاپیوں پر لکھیں۔

i) آنحضرت ﷺ نے دینِ اسلام کی تبلیغ کا کام کن حالات میں کیا؟ اپنے لفظوں میں بیان کریں۔

(ii اعلانیہ تبلیغ کے بعد آنحضرت ﷺ کو کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا؟ وضاحت کریں۔

2۔ خالی جگہ مناسب جواب کا انتخاب کر کے پُر کریں۔

(i اعلانیہ تبلیغ کا حکم سورۃ .... میں دیا گیا۔ (الفرقان۔ الشعراء۔ الانعام)

(ii آنحضرت ﷺ نے خاندان والوں کو حق کا پیغام سنایا تو .... شانِ رسول میں گستاخی کا مرتکب ہوا۔ (ابوجہل۔ ابولہب۔ ابوسفیان)

(iii خاندان والوں میں سے صرف ایک کم سن بچے حضرت .... نے آپ ﷺ پر ایمان لانے کا یقین دلایا۔ (حضرت علیؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ)

(iv آنحضرت ﷺ نے کوہ .... پر چڑھ کر اہلِ قریش کو پکارا۔ (طور۔ مروہ۔ صفا)

(v آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت .... کیلئے ہے۔ (مکہ ومدینہ۔ عرب۔ پوری دنیا)

3۔ مختصر جواب تحریر کریں۔

(i ابتداء میں تبلیغ کو خفیہ کیوں رکھا گیا؟

(ii سورۃ الشعراء کی ان آیات کا ترجمہ لکھیں جس میں آنحضرت ﷺ کو اپنے خاندان والوں کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔

(iii آنحضرت ﷺ کی دعوتِ تبلیغ سن کر خاندان کے افراد نے کس ردِعمل کا اظہار کیا؟

(iv اس موقع پر حضرت علیؓ نے کیا کہا تھا؟

(v سورۃ السباء میں بعثتِ عامہ کے متعلق کیا کہا گیا؟

4۔ درست اور غلط کی نشاندہی کیجئے۔

(i ابتداء میں تبلیغ کو پانچ برس تک خفیہ رکھا گیا۔ (ص۔غ)

(ii حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اعلانیہ تبلیغ کے بعد اسلام قبول کیا۔ (ص۔غ)

(iii ابوجہل گستاخِ رسول ﷺ تھا۔ (ص۔غ)

(iv شیرِ خدا حضرت علیؓ کو کہا جاتا ہے۔ (ص۔غ)

(v آنحضرت ﷺ کی دعوت وتبلیغ سے خاندان والے بیچ پا ہوگئے۔ (ص۔غ)

۳۔ ہجرتِ مدینہ اور غزوات

(i) ہجرتِ مدینہ ۱۳ نبوی (۶۲۲ء)

مقاصد تدریس

اس سبق کا مطالعہ کرکے طلباء اس قابل ہو جائیں گے کہ بیان کرسکیں گے کہ:

- ☆ ہجرت کا مفہوم کیا ہے۔
- ☆ ہجرتِ مدینہ کیوں ضروری ہوگئی تھی۔
- ☆ ہجرتِ مدینہ کے اسباب کیا ہیں۔
- ☆ ہجرتِ مدینہ کے واقعات کیا تھے۔
- ☆ ہجرتِ مدینہ کے کیا اثرات نکلے۔

ہجرت کے لغوی معنی کسی چیز کو چھوڑ دینا، کسی کام کو ترک کر دینا لیکن اصطلاحی معنوں میں ہجرت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اسلام کی سربلندی اور ملت مسلمہ کی بہبود کے لئے وطن چھوڑنا، رشتے دار، جائیداد اور دیگر مفادات چھوڑ کر کسی دوسری جگہ منتقل ہو کر اپنا مستقل وطن سمجھ لینا۔

نبوت کے تیرہویں سال ہجرت کا واقعہ پیش آیا جس سے اسلامی تاریخ بدل گئی۔ آنحضرت ﷺ کو مکہ سے بہت محبت تھی وہ اس شہر کو کسی قیمت پر بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے مگر اہل مکہ نے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی ہجرت سے پہلے ہی مسلمانوں کو ہجرت مدینہ کی اجازت دے دی کیونکہ وہاں مسلمان سکون کے ساتھ اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت کرسکتے تھے لیکن آپ ﷺ حکمِ الٰہی کے منتظر تھے جب آپ ﷺ کو بارگاہِ الٰہی سے اجازت ملی تو آپ مدینہ ہجرت فرما گئے۔

سرورِ کائنات ﷺ کا اپنے آبائی شہر مکہ کو خیرآباد کہہ کر مستقل طور پر مدینہ چلے جانا اور وہاں پر ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کرنا تاریخ اسلام کا ایک زریں باب ہے۔ یہیں سے اس اسلامی سلطنت کا آغاز ہوا جو آگے چل کر روئے زمین میں دینِ حق کی اشاعت کا سبب بنی۔

اسباب

ہجرت کے اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مکہ میں اشاعت اسلام پر پابندی

مکہ میں جتنی بھی سعید روحیں تھیں وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں اور اب مزید اشاعت اسلام کی گنجائش نظر نہیں آتی تھی۔ شعب ابی طالب میں نظربندی کے بعد سرداران قریش اسلام کی مخالفت میں اور زیادہ سرگرم عمل ہو گئے۔ جس سے اسلام کی اشاعت میں کمی واقع ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ کسی ایسے مرکز کی تلاش میں تھے جہاں آپ ﷺ اسلام کی وسیع پیمانے پر تبلیغ و اشاعت کر سکیں۔

2۔ مسلمانوں پر مظالم

قریش مکہ اسلام کے سخت دشمن تھے اس لئے جو بھی شخص کلمہ توحید کا اقرار کرتا اس پر مصائب اور مشکلات کے پہاڑ توڑے جاتے اور اس کا جینا حرام کر دیا جاتا۔ حضرت بلال حبشیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت صہیب رومیؓ وہ ہستیاں ہیں جن کو راہِ حق میں سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ خود آنحضرت ﷺ پر بھی قریش مکہ ظلم ڈھانے سے باز نہ آتے تھے۔ اہلِ مکہ نے مسلمانوں کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ ان کا مکہ میں رہنا محال ہو گیا۔

3۔ ہجرت حبشہ کا کامیاب تجربہ

اس سے پہلے کچھ مسلمان اللہ کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے اور وہاں پر امن کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس تجربہ نے مسلمانوں پر ثابت کر دیا کہ مکہ سے دور رہ کر وہ خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں اور اسلام کے احکامات پر آزادی سے عمل کر سکتے ہیں۔ حبشہ کی نسبت مدینہ بہتر جگہ تھی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔

4۔ مدینہ کی دفاعی حیثیت

مدینہ دفاعی لحاظ سے ایک محفوظ مقام تھا۔ اس کے تین اطراف میں پہاڑ اور نخلستان تھے اور ایک ہی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا جسے آسانی سے روکا جا سکتا تھا۔ مکہ کے تمام تجارتی راستے مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے۔ ان پر پہرہ بٹھا کر قریش مکہ پر معاشی دباؤ ڈالا جا سکتا تھا۔

5۔ اہلِ مدینہ کا اشتیاق

مکہ میں اسلام کی تبلیغ واشاعت پر پابندی تھی۔ جبکہ مدینہ میں اسلام خوب پنپ رہا تھا۔ اہل مدینہ نے آنحضرت ﷺ پر جانثاری کی بیعت کی اور آپ ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ اہلِ مدینہ کا آپ ﷺ کے ساتھ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ عہد لیا کہ غلبہ اسلام کے بعد آپ ﷺ مدینہ میں ہی قیام کریں گے۔ اہلِ مدینہ کے اس اخلاص کی بدولت آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔

6۔ اسلامی نظام کی تکمیل کا تقاضا

اسلامی نظام اجتماعیت کے فروغ کے لئے یہ ضروری تھا کہ مسلمان مکہ سے کسی پر امن مقام کی طرف ہجرت فرما جائیں۔ مکہ میں اسلام کے تمام پہلوؤں پر عمل کرنا ممکن نہ تھا۔ نماز باجماعت پر پابندی تھی جبکہ مدینہ میں سردارانِ قبائل تک حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ لہٰذا اسلامی نظام کی تکمیل اور اسلامی ریاست کے قیام کیلئے مدینہ بہترین جگہ تھی۔

7۔ حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات

عرب کے قبائلی نظام میں سرداران قبیلہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اگرچہ آپ ﷺ کے چچا اور خانوادہ بنو ہاشم کے

سردار ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ آنحضرت ﷺ کے ہمدرد اور غم خوار تھے۔ ان کی زندگی میں قریش مکہ آپ ﷺ کے خلاف کوئی بھی سخت اقدام کرنے سے باز رہے۔ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ بھی مکہ کی با اثر خاتون تھیں اور بہت سے سرداران قریش پر ان کے احسانات تھے۔ ان بزرگ ہستیوں کی وفات پا جانے کے بعد قریش مکہ نے آپ ﷺ کے خلاف زیادتیوں کا سلسلہ تیز کر دیا۔ جس کے سبب آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔

8۔ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ

ہجرت مدینہ کا فوری سبب یہ ہوا کہ دارالندوہ میں سرداران قریش نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا خطرناک منصوبہ تیار کیا تا کہ ہادیِ اسلام سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکے۔ منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لئے ایک رات کا انتخاب بھی کر لیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو کفار کے اس ناپاک ارادہ سے محفوظ رکھا۔

9۔ اذنِ الٰہی

ہجرت کا سب سے بڑا سبب حکم خداوندی تھا۔ مسلمان پہلے ہی ایک ایک کر کے مکہ چھوڑ چکے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو کفار کے ناپاک ارادہ سے خبردار کرنے کے بعد اجازت فرمائی کہ آپ ﷺ مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت فرما جائیں۔

ہجرت مدینہ کے واقعات

آنحضرت ﷺ کے گھر کا محاصرہ اور روانگی

دارالندوہ میں مختلف قبائل کا اجلاس ابوجہل کی زیرِ قیادت ہوا جس میں یہ طے پایا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک نوجوان آنحضرت ﷺ کے مکان کا محاصرہ کرے اور جب آپ ﷺ صبح نماز کے لئے نکلیں تو سب مل کر حملہ کر دیں۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کفار نے ۲۷ صفر ۱۳ نبوی کو آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو قریش کے ناپاک ارادوں سے آگاہ کر دیا اور آپ کو مکہ سے ہجرت کا حکم فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس اہل مکہ کی کچھ امانتیں تھیں۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹایا اور ان سے فرمایا کہ بلا خوف و خطر میرے بستر پر سو رہو دشمن تمہیں گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ صبح لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کر کے یثرب (مدینہ) چلے آنا۔

قریش کسی کے گھر میں گھس کر حملہ کرنے کو معیوب خیال کرتے تھے۔ اس لئے دروازے پر آپ ﷺ کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ اللہ کے حکم سے تمام پہرہ دار سو گئے اور آپ ﷺ ان کے درمیان سے سورہ یٰس کی تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے۔ وہاں سے آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے ہی سے اس کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ حق کے علمبرداروں کا یہ قافلہ راتوں رات مکہ سے جبلِ ثور کی

طرف روانہ ہوا۔ روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے کعبہ کو دیکھ کر فرمایا ''مکہ تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن تیرے فرزند مجھ کو یہاں رہنے نہیں دیتے''۔

غارِ ثور میں قیام

رات کی تاریکی میں آنحضرت ﷺ تقریباً تین میل کا سفر طے کر کے جبل ثور کی طرف بڑھے اور وہاں ایک غار میں پناہ لی جس کو غارِ ثور کہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی روانگی کے بعد صبح جب قریش نے دیکھا کہ ان کے بستر پر حضرت علیؓ سو رہے ہیں اور آپ ﷺ مکہ سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کو کافی شرمندگی اور ندامت ہوئی اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ کو پکڑ لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ انعام کے لالچ میں بہت سے لوگ آپ ﷺ کے تعاقب میں نکل پڑے۔ ایک متلاشی گروہ آپ ﷺ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے منہ تک پہنچ گیا۔ آہٹ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ پریشان ہوئے کہ کہیں یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو نقصان نہ پہنچائیں لیکن آنحضرت ﷺ کے اطمینان کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (ترجمہ۔ ''گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے'')

اللہ تعالیٰ نے غار کے منہ پر ایسے اسباب پیدا کر دیئے جن کو دیکھ کر تلاش کرنے والے غار کے دہانے سے ہی واپس لوٹ گئے۔

غارِ ثور سے روانگی

آنحضرت ﷺ اور آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ تین دن تک اس غار میں رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ دن بھر کی کاروائی سے آنحضرت ﷺ کو آگاہ کر جاتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ انہیں بکریوں کا دودھ پلا آتے اور عبداللہ بن ابوبکرؓ کے پیچھے بکریاں ہانک لاتے تاکہ قریش مکہ حضرت عبداللہؓ کے قدموں کے نشانات نہ دیکھ سکیں۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ آپ کو کھانا پہنچا آتی تھیں۔

چوتھی رات کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر سے دو اونٹنیاں آگئیں اور آپ ﷺ اپنے راہنما عبداللہ بن اریقط کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غلام عامر بن فہیرہؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔

سراقہ بن جعشم کا تعاقب

یکم ربیع الاوّل بروز دوشنبہ کو چار افراد پر مشتمل یہ مختصر سا قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ سفر زیادہ تر رات کو کیا جاتا تھا اور اصل راستہ چھوڑ کر ساحلی راستہ اختیار کیا گیا تاکہ قریش آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکیں۔ اس کے باوجود سراقہ بن جعشم نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لئے گھوڑا آگے دوڑایا۔ آنحضرت ﷺ نے اللہ سے دعا کی تو اس کے

گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ وہ اٹھا اور پھر سوار ہو کر آپ ﷺ کی طرف بڑھا۔ لیکن پھر ٹھوکر کھائی۔ تین دفعہ ٹھوکر کھانے کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ سے امان طلب کی اور آپ ﷺ کی گرفتاری اور انعام سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہؓ سے اس کے لئے امان نامہ لکھوا دیا۔

قباء میں قیام

۸ ربیع الاوّل ۱۳ نبوی بروز دوشنبہ آنحضرت ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر وادی قباء پہنچے اور وہاں پر آپ ﷺ نے کلثوم بن الہدم کے گھر چودہ دن تک قیام فرمایا۔ یہاں پر آپ ﷺ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جس کو مسجد قباء کہتے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے۔ حضرت علیؓ بھی لوگوں کی امانتیں واپس کر کے قباء میں ہی آپ ﷺ سے آ ملے۔

مدینہ میں داخلہ

قباء سے آپ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستے میں بنوسالم کے محلّہ میں نماز جمعہ کی فرضیت کا حکم آیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی۔ مدینہ میں آپ ﷺ کا بڑا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ خاص طور پر آپ ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار بڑی سج دھج سے استقبال کے لئے آئے تھے۔ بچیاں بڑے محبت بھرے انداز میں یہ اشعار گنگنا رہی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا (ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا)

مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ (کوہ وداع کی پہاڑیوں سے)

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا (ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے)

مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ (جب تک کہ دعا مانگنے والے دعا مانگیں)

ہر شخص کی خواہش تھی کہ آنحضرت ﷺ اس کو شرف میزبانی بخشیں لیکن یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاریؓ کے حصہ میں آئی اور آپ ﷺ سات ماہ تک حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں مقیم رہے۔ آنحضرت ﷺ کی آمد کے بعد یثرب کو لوگ مدینۃ النبی ﷺ کہنے لگے اور پھر رفتہ رفتہ یہ نام صرف مدینہ رہ گیا۔

ہجرت کے نتائج

ہجرت مدینہ تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہے اس کے نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ پرسکون ماحول

مکہ میں مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ وہاں انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں۔

مدینہ میں اس ظلم وستم کا خاتمہ ہوا۔ مسلمانوں کو ایک پرسکون ماحول میسر آیا جہاں وہ آزادی کے ساتھ ایک خدا کی عبادت اور بندگی کرنے لگے۔

2۔ غلبہ اسلام و اشاعت اسلام

مسلمانوں کی انتہائی کوشش کے باوجود مکہ میں اسلام کی اشاعت میں خاطر خواہ اضافہ نہ ہو سکا۔ ہجرت کے بعد اسلام نے ترقی کی اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ تھوڑے ہی عرصے میں اسلام عرب کے طول وعرض میں پھیل گیا۔

3۔ اہلِ مکہ پر دباؤ

اہلِ مکہ اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ ہجرت کا یہ فائدہ ہوا کہ مسلمانوں کو قریش کی اقتصادی ناکہ بندی کرنے کا موقع مل گیا۔ یہ ناکہ بندی مسلمانوں کے لئے خیر اور بہتری کا پیغام لائی۔

4۔ اوس اور خزرج کا اتحاد

مدینہ میں دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے جو آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ہجرت کی برکت سے ان میں اتحاد پیدا ہوا اور ان کے باہمی تعلقات بہتر ہوئے۔ جس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

5۔ اسلامی ریاست کا قیام

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد ایک ایسی اسلامی ریاست تشکیل دی گئی جس میں اسلام کے تمام قوانین کا نفاذ کیا گیا اور اسلام کے نظام اجتماعیت کو عملی شکل مل گئی۔

6۔ ایمان کی کسوٹی

ہجرت مدینہ اسلام میں کھرے اور کھوٹے کی پہچان بن گئی۔ جو سچے مسلمان تھے انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور جو منافق تھے انہوں نے ہجرت پر دنیاوی مال کو ترجیح دی۔ اس طرح سے ہجرت ایمان کی کسوٹی ثابت ہوئی۔

7۔ اخوت کا فروغ

اسلام میں ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی کہا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے موقع پر ایک انصاری کو ایک مہاجر کا بھائی قرار دیکر اس رشتہ اخوت کو اور زیادہ مضبوط کر دیا اور یہ رشتہ اخوت اتنا مضبوط اور مستحکم ہوا کہ حقیقی اور مواخاتی بھائی میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔

8۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر

مسجد کو دینِ اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔

جس میں نہ صرف یہ کہ نماز باجماعت ادا کی جاتی تھی بلکہ مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل بھی تلاش کیا جاتا تھا۔

9۔ مسلمانوں کی قوت میں اضافہ

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور قوت میں اضافہ ہوا۔ مسلمانوں کی تمام قوت ایک مرکز پر جمع ہوگئی اور اسے نشو ونما پانے کے بہتر مواقع مل گئے۔ چند ہی سالوں میں مسلمان اس قابل ہوگئے کہ انہوں نے پورے عرب کو زیر کر لیا۔

10۔ معاشی خوشحالی

مہاجرین اپنا گھر بار اور کاروبار چھوڑ کر انتہائی کسمپرسی کی حالت میں مدینہ آئے تھے۔ مکہ میں قریش نے مسلمانوں کا معاشرتی مقاطعہ کر رکھا تھا۔ اس لئے مسلمان معاشی لحاظ سے انتہائی پست ہو چکے تھے۔ مدینہ میں ان کو سیاسی استحکام اور پرامن ماحول میسر آیا۔ جس سے انہیں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع ملا۔ اپنی محنت اور دیانت سے تھوڑے ہی عرصہ میں مہاجرین معاشی طور پر بھی مضبوط ہو گئے۔

مشق

1۔ ذیل میں پوچھے گئے سوالات کے جوابات اپنی کاپیوں پر لکھیں۔

i) ہجرت مدینہ کے بڑے بڑے اسباب کیا تھے؟ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

ii) ہجرت مدینہ کے واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کریں۔

iii) ہجرت مدینہ کی اہمیت پر مختصر مگر جامع نوٹ لکھیں۔

2۔ ذیل میں دیئے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

i) مکی دور ۱۳ برس پر مشتمل تھا۔ ان ۱۳ برسوں میں پورے مکہ نے اسلام قبول کر لیا۔ (ص ـ غ)

ii) آنحضرت ﷺ کو ۱۳ سن نبوی میں ہجرتِ مدینہ کی اجازت ملی۔ (ص ـ غ)

iii) مسلمانوں نے ظلم و ستم سے تنگ آکر ہجرت کا فیصلہ کیا۔ (ص ـ غ)

iv) عبداللہ بن اریقط غار ثور میں آنحضرت ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کیلئے کھانا لایا کرتا تھا۔ (ص ـ غ)

3۔ خالی جگہ پر کریں۔

i) آنحضرت ﷺ .... کے روز مدینہ پہنچے۔

ii) مدینہ کا پرانا نام .... تھا۔

(iii مکہ میں نبی پاک ﷺ کی گرفتاری اور قتل پر..........اونٹوں کا انعام مقرر کیا گیا۔

(iv آنحضرت ﷺ نے قباء میں..........روز قیام فرمایا۔

4۔ اشارہ ڈھونڈیے۔

(i دف بجائے گئے، میٹھے میٹھے اشعار پڑھے گئے۔

(ii انصاری صحابی، ۷ ماہ قیام، آنحضرت ﷺ کی میزبانی کا شرف

(iii مختصر سا قافلہ، وادیٔ تہامہ، بحرِ احمر، مدینہ منزل

(iv رات کا وقت، ہونٹوں پر سورۃ یٰس کی آیات، مٹی پھینکی گئی

5۔ پوچھے گئے سوالات کا مختصر جواب لکھیں۔

(i آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو ہجرت کے سفر میں اپنے ساتھ کیوں نہ رکھا؟

(ii مکہ کے کفار دعوت حق سے کیوں انکار کرتے تھے؟

(iii آنحضرت ﷺ نے تیرہ برس بعد ہی ہجرت کیوں فرمائی۔ یہ ہجرت پہلے بھی تو کی جا سکتی تھی؟

(iv گھر سے نکلتے وقت حضور ﷺ کس سورۃ کی تلاوت فرما رہے تھے؟

غزوات (ii)

مقاصد تدریس

اس سبق کا مطالعہ کر کے طلباء اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ جان سکیں گے کہ:

☆ غزوات سے کیا مراد ہے؟ ☆ غزوات نبی ﷺ کا آغاز کب ہوا؟

☆ حضور ﷺ نے کون کون سے غزوات میں حصہ لیا؟ ☆ حضور ﷺ کی غزوات کے دوران جنگی حکمت عملی کیا ہوا کرتی تھی

غزوات

غزوات نبوی ﷺ سے مراد وہ لڑائیاں ہیں جو آنحضرت ﷺ کے دور میں مسلمانوں اور کفار کے مابین لڑی گئیں۔ غزوہ کے لئے یہ شرط ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنفسِ نفیس اس میں شرکت کی ہو اور جس جنگی کارروائی میں آپ ﷺ نے کسی صحابی کو امیر مقرر کیا اسے سریہ کہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں ۲۷ غزوات میں حصہ لیا۔

کفر و اسلام کا پہلا معرکہ۔ غزوۂ بدر

جنگِ بدر کفارِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان پہلی لڑائی تھی اور تاریخِ اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ایک طرح سے ایک فیصلہ کن معرکہ تھا اس لڑائی سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوگئی کہ صرف کثرت فوج و سپاہ اور زر و مال پر فخر غلط ہے بلکہ فتح و نصرت کے لئے ایمان یقین محکم اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ضروری چیزیں ہیں۔

آغازِ اسلام ہی سے کفارِ مکہ کو حضور نبی کریم ﷺ اور ان چند لوگوں سے جو اس وقت مسلمان ہو گئے تھے بغض و عناد پیدا ہو گیا تھا اور وہ انہیں ہر ممکن طریقہ سے تنگ کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں خود پیغمبر خدا ﷺ کو بہت تکالیف پہنچائیں اور مٹھی بھر مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے جب کچھ مسلمان تنگ آ کر حبشہ ہجرت کر گئے تو کفار نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا ان تمام مظالم اور تکالیفوں اور مخالفتوں کے باوجود خدا کا سچا دین اسلام ترقی ہی کرتا گیا اور دن بدن اسے تقویت ہی حاصل ہوتی گئی، مگر ایک وقت ایسا آیا کہ اس کے باوجود مکہ میں مسلمانوں کی زندگی دوبھر ہوگئی اور اللہ کے حکم سے حضور ﷺ کو مدینہ ہجرت کرنا پڑی۔ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں نے اطمینان و چین کا سانس لیا اور تھوڑے ہی عرصے میں گرد و نواح میں بھی ان کا اثر و رسوخ پھیل گیا۔

کفارِ مکہ کے لئے اسلام کو مدینہ منورہ میں پھیلتا پھولتا دیکھنا ناقابلِ برداشت تھا پھر انہیں اپنے تجارتی قافلوں کی بھی فکر رہنے لگی جس کا راستہ مدینہ کے قریب سے جاتا تھا وہ دن رات منصوبے بناتے کہ مسلمانوں کو کس طرح ختم کیا جائے۔ کفار اپنا تجارتی راستہ محفوظ کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے ایک ہزار مسلح جوانوں کے ساتھ ۲ ہجری کو مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

غزوۂ بدر کا واقعہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری میں پیش آیا۔ کفار کا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ ہر سپاہی ہتھیاروں سے لیس تھا۔ اونٹ اور گھوڑے میسر تھے۔ دوسری جانب ۳۱۳ افراد پر مشتمل ایک چھوٹا سا لشکر جس کے سپاہیوں کے پاس لڑنے اور اپنے دفاع کے لئے ہتھیار بھی پورے نہ تھے اس منظر کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے اللہ کو پکارا:

"اے اللہ! اگر تو نے مسلمانوں کو اس لڑائی میں فتح عطا نہ کی تو کوئی شخص تیرا مقدس نام لیوا نہ رہے گا اور کوئی تیری عبادت نہ کرے گا۔ اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کہیں نہیں ہوگی"۔

صبح ہوتے ہی آنحضرت ﷺ نے اپنے لشکر کی صفیں درست کیں۔ عرب کے دستور کے مطابق انفرادی مقابلے شروع ہوئے۔ لشکر قریش کے تین سردار عتبہ، شیبہ اور ولید کا مقابلہ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث سے ہوا اور انہوں نے ان پر فتح پائی۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کیا۔ دو نوعمر مجاہدوں حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ نے ابوجہل کو جہنم واصل کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمان میدانِ جنگ پر چھاتے گئے اور مسلمانوں کا یہ مختصر سا لشکر کفار کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا۔ اس غزوۂ میں ۱۴ مسلمان شہید ہوئے جبکہ ۷۰ کافر مارے گئے اور اتنے ہی قید ہوئے۔ بقیہ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مسلمانوں کی اس کامیابی سے نہ صرف اہل مکہ بلکہ دیگر قبائل عرب بھی یہ جان گئے کہ عرب میں ایک اور طاقت وجود میں آچکی ہے جو اسلام کے ماننے والے ہیں۔ اب انہیں بے بس، کمزور اور ناتواں نہیں سمجھا جاسکتا وہ اپنا دفاع کرنا خوب جانتے ہیں اور جو بھی ان سے ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہوجائے گا۔

غزوۂ اُحد

کفار مکہ نے غزوۂ بدر کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینے کے لئے ایک سال بھرپور تیاری کی۔ وہ سارا منافع جو ابوسفیان ایک ہزار اونٹوں پر شام سے کما کر لایا تھا جنگ کے لئے وقف کردیا گیا۔ کفار مکہ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے بڑی شان وشوکت اور گھن گرج کے ساتھ شوال ۳ ہجری کو تین ہزار افراد پر مشتمل لشکر کے ساتھ احد پہاڑ کے قریب وادی میں خیمہ زن ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو مشورہ کیلئے طلب فرمایا اور کثرت رائے کی بنیاد پر فیصلہ ہوا کہ مسلمان مدینہ سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے لہٰذا ایک ہزار افراد پر مشتمل یہ لشکر دشمن سے مقابلے کے لئے مدینہ سے نکلا۔ راستے میں جو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت اس لشکر سے یہ کہہ کر الگ ہوگیا کہ میری رائے کے مطابق یہ جنگ مدینہ کے اندر رہ کر لڑی جائے چونکہ میری رائے کو تسلیم نہیں کیا گیا لہٰذا ہم اس میں شریک نہیں ہوں گے۔ عبداللہ بن اُبی کے واپس ہوتے ہی اب مسلمانوں کی کل تعداد سات سو رہ گئی لیکن آنحضرت ﷺ نے نہایت استقلال اور جرأت کے ساتھ دشمنوں سے لڑنے کی تیاری شروع کردی۔ آنحضرت ﷺ نے پچاس مجاہدوں کو پہاڑ کی گھاٹی کی طرف جہاں سے خطرہ تھا کہ دشمن حملہ نہ کردے حفاظت کے لئے مقرر کیا اور ان کو ہدایت کی کہ وہ اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹیں جب تک ان کو ہٹنے کا حکم نہ دیا جائے۔

اس مرتبہ مسلمان جنگِ بدر کے واقعہ سے بھی زیادہ مکہ والوں سے ہر طرح سے کمزور تھے کیونکہ ایک طرف تین ہزار سپاہی جن میں سے ۷۰۰ زرہ پہنے ہوئے تھے۔ دو سو گھڑ سوار تھے ہر طرح کے ہتھیار میسر تھے جبکہ دوسری جانب کل سات سو (۷۰۰) افراد میں سے مشکل سے ۱۰۰ مسلمانوں کے پاس زرہیں تھیں اور صرف ۲ گھوڑے تھے۔ مگر یہ مختصر سا لشکر قوتِ ایمانی سے سرشار تھا۔

اُحد کے میدان میں یکے بعد دیگرے کافروں کے بڑے بڑے بہادر مقابلے کے لئے آتے گئے اور جانباز مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوتے گئے۔ اس طرح کفار کے ۱۲ سردار قتل ہوگئے۔ اس کے بعد عام جنگ کا آغاز ہوا۔ مسلمان مجاہدین نے بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے میدانِ جنگ سے بھاگنا شروع کردیا۔ مسلمان مالِ غنیمت سمیٹنے لگ گئے۔ پہاڑی درّے پر موجود پچاس تیر اندازوں کی جماعت نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی فتح یقینی سمجھتے ہوئے ہاں ان کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اپنے چند ساتھیوں سمیت درّے پر رہ گئے۔

حضرت خالد بن ولید جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے پہاڑی درّے کو تقریباً خالی دیکھتے ہوئے چند ساتھیوں کو لیکر عقب سے حملہ آور ہوئے۔ مسلمان اس غیر متوقع حملے سے پریشان ہوگئے۔ مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔ ۷۰ کے قریب شہادتیں ہوئیں۔ حضرت حمزہؓ اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ ایک کافر کے پھینکے گئے پتھر کے نتیجے میں حضور ﷺ کے دو دندانِ مبارک شہید ہوئے اور چہرۂ مبارک پر زخم آئے۔

مسلمانوں کو احساس ہوگیا کہ اطاعتِ امیر کی کتنی اہمیت ہے۔ اگر پہاڑی درّے پر موجود پچاس تیر اندازوں کی جماعت اپنی جگہ نہ چھوڑتی تو یہ جنگ بھی مسلمانوں کے ہاتھ ہی میں رہتی۔ دوسری جانب کفار یہ سوچ کر آئے تھے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کردیں گے مگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب

جنگِ احد کے بعد کفارِ مکہ اور دیگر دشمنانِ اسلام (یہود) یہ سوچنے لگے کہ اگر ایک بھرپور حملہ مسلمانوں پر کردیا جائے تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوجائیں گے۔ اس خیال نے دشمنانِ اسلام کے مختلف گروہوں کو یکجا کردیا۔ اب مسلمان ایک طرف اور ان کے خلاف قریش یہود منافقین اور عرب کے کئی قبائل ایک بڑی اور فیصلہ کن جنگ کے لئے متحد ہورہے تھے۔

رسولِ خدا ﷺ نے نہایت ہمت، حوصلے اور دانش مندی سے اس پوری صورتحال کا جائزہ لیا، وہاں دوسری طرف ابوسفیان ۴ ہزار نفوس پر مشتمل لشکر لیکر مکہ سے نکلا راستے میں مختلف قبائل اور گروہ اس کے ساتھ شامل ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد دس ہزار نفوس سے بھی تجاوز کرگئی۔

آنحضرت ﷺ نے باہمی مشورہ طلب کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ مدینہ کے کھلے ہوئے اطراف میں خندق کھود دی جائے اور شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ مدینہ کے تین اطراف پہاڑی

سلسلے تھے۔ مکانات اور دیواریں تھیں اور ایک طرف سے کھلا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اسی جانب ۳ ہزار مجاہدین کے ساتھ بیس دن میں خندق کھودی۔ ذیقعدہ ۵ ہجری کو جب اتحادی لشکر مدینہ پہنچا تو اس نے ہر طرف سے مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔ کفار ایک ماہ تک شدت سے محاصرہ کرتے رہے اور خندق کے اس پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے۔ کئی بار خندق کو پار کرنے کی کوشش کی گئی مگر دشمن ہر مرتبہ ناکام رہا۔ مسلمانوں کے لئے یہ وقت بڑا صبر آزما تھا کیونکہ خوراک ختم ہو چکی تھی، بھوک و پیاس کی تکلیف ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔ ادھر اتحادیوں کی فوج میں بھی پریشانی اور بے چینی بڑھتی جارہی تھی کیونکہ اتنی بڑی فوج کے لئے سامانِ رسد کا باہم پہنچانا آسان نہ تھا۔ عین اس موقع پر مسعود ثقفی نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو غطفان سے تھا۔ انہوں نے قریش اور یہود میں نفاق پیدا کردیا۔ اس صورتحال میں اتحادی فوج کے رہے سہے حوصلے بھی پست ہوگئے۔

مسلمان حق پر تھے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ حق پرستوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اس موقع پر غیب سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کے اسباب پیدا کردیئے۔ ایک رات موسم میں یکا یک تغیر رونما ہوا۔ شدید آندھی چلی اور مکہ کی فوج میں گھبراہٹ اور افراتفری پھیل گئی۔ کافروں کے خیمے اکھڑ گئے۔ سامانِ رسد تباہ ہوگیا۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ چولہے بجھ گئے۔ جانوروں کا چارہ اُڑ گیا اور آندھی کی وجہ سے لوگوں نے بھاگنا شروع کردیا۔ اس طرح بغیر لڑے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو فتح نصیب کی۔ اس جنگ سے مسلمانوں کو بخوبی پتہ چل گیا کہ کفار مکہ کے ساتھ ساتھ یہودی بھی مسلمانوں کے کھلے دشمن ہیں۔ یہودیوں کی سازشیں اور چالاکیاں مسلمانوں پر ظاہر ہوگئیں اور وہ آئندہ کے لئے محتاط ہوگئے۔

کافروں کی پسپائی سے تمام عرب پر مسلمانوں کا رُعب و دبدبہ چھا گیا اور لوگ اس حقیقت کا اعتراف کرنے لگے کہ مسلمان ایک مضبوط اور طاقتور جماعت ہے۔ دشمن کا اتنا بڑا لشکر ایک ماہ تک ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ تاریخِ اسلام اس جنگ کو جنگِ خندق بھی کہتی ہے اور جنگِ احزاب بھی۔ اس غزوہ میں دشمن سے بچاؤ کے لئے مدینہ کے باہر خندق کھودی گئی تھی اس اعتبار سے اسے غزوۂ خندق کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ چونکہ اس جنگ میں مسلمانوں کے خلاف عرب کے بہت سے قبائل (گروہوں) نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی سازش کی تھی۔ عربی زبان میں گروہوں کو احزاب کہا جاتا ہے اس وجہ سے یہ غزوۂ احزاب بھی کہلاتا ہے۔

غزوۂ خیبر

عرب میں یہودیوں کی طاقت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ ایک موقع پر بنو قینقاع کے یہودی بے گناہ مسلمانوں کے قتل کے جرم میں رسول خدا ﷺ کے حکم پر اپنے گھروں سے بے دخل کئے جاچکے تھے۔ قبیلہ بنونضیر کے یہودیوں کو حضور ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کے جرم میں جلاوطن کردیا گیا تھا۔ دشمنِ اسلام کے یہ سارے دشمن خیبر میں جمع ہوگئے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ بنو قریظہ اور قبیلہ غطفان بھی اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضور ﷺ یہود خیبر کی جنگی تیاریوں کی خبر سن کر یہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ اس حملہ

اور دشمن کو اس کی اپنی سرزمین میں ہی روک دینا ضروری ہے۔ لہٰذا محرم ۷ ہجری میں نبی محترم ﷺ چند سو صحابہؓ کا لشکر لیکر خیبر کی طرف پیش قدمی کا آغاز کرتے ہیں۔ خیبر میں یہودیوں کے کئی قلعے تھے۔ جہاں انہوں نے بہت سا سامانِ رسد جمع کر رکھا تھا۔ جوشِ جہاد سے سرشار مسلمانوں نے ایک ایک کر کے یہودیوں کے قلعوں کو فتح کرنا شروع کیا۔ سب سے مضبوط قلعہ ''قلعہ قموص'' اب تک فتح نہ ہوسکا تھا جبکہ اس کی فتح کے لئے دو مرتبہ کوشش کی جا چکی تھی۔ آخر میں حضور ﷺ نے پرچم اسلام حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔ حضرت علیؓ نے قلعے کے سامنے پہنچ کر سب سے پہلے یہودیوں کو دین کی دعوت دی مگر ان ظالموں نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور ان کا سردار مرحب تکبیر کا نعرہ لگاتا ہوا حملہ آور ہوا۔ حضرت علیؓ کے ایک ہی وار نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اپنے سردار کی اذیت ناک موت دیکھ کر یہودی ہمت ہار گئے اور قلعہ قموص حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے درِ خیبر اکھاڑ پھینکا۔ کفر و اسلام کے اس معرکے میں ۹۲ یہودی جہنم رسید ہوئے ۲۰ کے قریب مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔

مسلمان مجاہدین کو غزوۂ خیبر میں بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ شکست خوردہ یہودیوں نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں اس سرزمین میں رہنے دیا جائے۔ ہم زمین، باغوں اور کھیتوں کی دیکھ بھال کریں گے۔ رحمت عالم ﷺ نے یہودیوں کی اس درخواست کو منظور کر لیا اور اپنی شانِ کریمانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کھیتوں، باغوں اور پھلوں کی آدھی پیداوار یہودیوں کو دے دی جائے گی۔

غزوۂ خیبر میں یہودیوں کی طاقت دم توڑ گئی اور مسلمانوں کو ان کی جانب سے یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اب یہود کبھی سر نہ اٹھا پائیں گے۔

فتح مکہ

رمضان المبارک ۸ ہجری بمطابق جنوری ۶۳۰ء میں فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ حدیبیہ کے معاہدہ میں یہ طے پایا تھا کہ قبائل عرب اس کے لئے آزاد ہوں گے کہ نبی اکرم ﷺ اور قریش میں سے جس کے بھی حلیف بننا چاہیں بن جائیں۔ جب معاہدہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے تو عرب کے قبیلہ بنو خزاعہ نے اعلان کر دیا کہ ہم مسلمانوں کے حلیف ہونا پسند کرتے ہیں اور قبیلہ بنو بکر نے کہا ہم قریش کے حلیف بننا چاہتے ہیں اور دونوں قبائل اس طرح الگ الگ دو جماعتوں کے حلیف بن گئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال تو معاہدہ پر دونوں جانب سے پوری طرح عمل ہوتا رہا لیکن ڈیڑھ سال کے بعد ایک واقعہ پیش آیا کہ بنی خزاعہ اور بنی بکر کے درمیان عرصہ سے جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہ چکا تھا جو اس درمیانی مدت میں اگرچہ بند رہا مگر اچانک کسی بات پر پھر جنگ چھڑ گئی اور ایک رات بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ رات کا وقت ہے اور مسلمان یہاں سے بہت دور ہیں آج موقع ہے کہ بنی خزاعہ کو مسلمانوں کے حلیف ہونے کا مزہ چکھایا جائے چنانچہ انہوں نے بنی بکر کا ساتھ دیتے ہوئے بنی خزاعہ کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ بنی خزاعہ نے جب یہ حالت دیکھی تو فوراً ایک وفد کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں امداد کے لئے بھیجا۔ وفد کی بات سن کر

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی قسم میں جس چیز کو اپنی ذات سے روکوں گا تم کو بھی اس سے ضرور محفوظ رکھوں گا''۔

قریش نے حضور ﷺ سے تین باتوں میں سے فتح معاہدہ حدیبیہ کو اختیار کیا مگر فوراً اپنی اس حرکت پر بہت نادم اور خوفزدہ ہوئے اور ابوسفیان کو مامور کیا کہ مدینہ جائیں ۔ ابوسفیان دربار رسالت ﷺ میں پہنچا اور تجدید معاہدہ کی بات کی مگر آپ ﷺ نے انکار فرمایا ۔ اب جہاد کی تیاری شروع ہوئی کیونکہ قریش نے بنوبکر کا ساتھ دے کر معاہدہ حدیبیہ کو خود توڑا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان تک مدینہ پہنچ جائے آپ ﷺ پوری کوشش فرما رہے تھے کہ کسی طرح ہماری تیاری کا حال قریش کو نہ معلوم ہو جائے کیونکہ آپ ﷺ کی دلی خواہش یہ تھی کہ مکہ میں جنگ نہ ہونے پائے اور قریش مسلمانوں سے مرعوب ہو کر خود ان کے مطیع ہو جائیں۔

آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق مسلمانوں نے مدینہ میں جمع ہونا شروع کیا اور ۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو آپ ﷺ ۱۰ ہزار جانثاروں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی سفر میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ مسلمان ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اہل وعیال کو مدینہ بھیج دو اور خود ہمارے ساتھ رہو۔ اسلامی لشکر جب مکہ کے قریب پہنچا تو ابوسفیان چھپ کر لشکر کا صحیح اندازہ کر رہے تھے کہ اچانک مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر کے خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ آقا ﷺ نے نہ صرف انہیں معاف فرما دیا بلکہ آزاد بھی کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ خلق دیکھ کر ابوسفیان اسلام لے آئے پھر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ابوسفیان کو مکہ نہ جانے دیں بلکہ سامنے کی پہاڑی پر لے جا کر مسلمانوں کے لشکر کی طاقت وشوکت کا نظارہ کرائیں۔

اسلامی لشکر مختلف راستوں سے مکہ میں داخل ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم فرمایا کہ تم مکہ کے زیریں حصہ کی جانب سے داخل ہونا جبکہ آنحضرت ﷺ خود مکہ کے بالائی حصے سے بغیر مزاحمت کے داخل ہوئے۔ کفار کے ایک گروہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی مزاحمت کی مگر حضرت خالدؓ بن ولید نے اس مزاحمت پر قابو پالیا۔ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں داخل ہوتے ہی اعلان فرمایا کہ:

۱۔ جو مکان بند کر کے بیٹھ جائے اس کو امن ہے۔
۲۔ جو ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے اس کو امن ہے۔
۳۔ جو مسجدِ حرام میں پناہ لے اس کو امن ہے۔

جب آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ کعبہ سے تمام بت نکال دیئے جائیں اور دیواروں پر بنی ہوئی تصاویر مٹا دی جائیں۔ آپ ﷺ نے خود اس کام میں حصہ لیا۔ آپ ﷺ ایک ایک بت کو زمین پر گرا کر توڑتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

ترجمہ۔ ''حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے والا ہی ہے''۔ (سورۃ بنی اسرائیل۔ ۱۷:۸۱)

کعبہ جب بتوں کی نجاست سے پاک ہوا تو نبی کریم ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے اور نماز نفل ادا کی اور باہر تشریف لائے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ بن طلحہ کو کعبہ کی کلید حوالے کی۔

اب لوگ منتظر تھے کہ دیکھئے جن مشرکین نے برسوں تک آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو ہر قسم کی تکلیف پہنچائی۔ مصائب اور مشکلات میں مبتلا کیا۔ ان کے ساتھ آج کیا سلوک کیا جاتا ہے مگر رحمت للعالمین ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرمایا۔ بس اس کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔

اسی کامیابی کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا کہ:

ترجمہ۔ ''جب اللہ کی مدد آپہنچی اور فتح حاصل ہوگئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی تعریف و تسبیح کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو بے شک وہ معاف کرنے والا ہے''۔ (سورۃ النصر ۱۱۰:۱۔۳)

آنحضرت ﷺ نے مکہ میں پندرہ روز قیام فرمایا چونکہ آنحضرت ﷺ اہل مدینہ سے فرما چکے تھے کہ میرا جینا اور مرنا اب تمہارے ساتھ ہے لہٰذا آپ ﷺ نے واپس مدینہ روانگی اختیار فرمائی۔

غزوۂ حنین

اگرچہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو چکا تھا مگر اب بھی عرب کے کچھ قبائل کے دلوں میں مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کے مکروہ خیالات پرورش پا رہے تھے۔ طائف اور مکہ کے درمیان بنو ہوازن نامی قبیلہ دیگر قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر مالک بن عوف کی سرکردگی میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار تھا۔ جنگ میں شریک ہونے والے سپاہی اپنے ساتھ مال، مویشی، بال بچے سب لے آئے تھے تاکہ یہ لڑائی میں منہ نہ موڑیں اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے جی توڑ مقابلہ کریں۔ آنحضرت ﷺ کو جب دشمنانِ اسلام کے ان اقدامات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے بارہ ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کو ان کی سرکوبی کے لئے تیار کیا اور جنگ کے لئے روانہ ہوگئے۔ اس جنگ میں دشمنانِ اسلام کی تعداد کم اور مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مسلمانوں کی روانگی کی خبر پاتے ہی مالک بن عوف نے اپنی فوج کو حنین کی چوٹی اور پہاڑ کے تنگ دڑّوں کے بالائی کناروں پر تعینات کر دیا اور تاکید کر دی کہ جونہی مسلمان اس وادی میں اتریں ان پر فوراً تیروں سے حملہ کر دیا جائے تاکہ ان کی صفوں میں ابتری پھیل جائے۔ سپاہیوں نے اپنے سردار کے حکم کی تعمیل کی اور مورچے سنبھال لئے۔ اس صورتحال کا پتہ نبی اکرم ﷺ کو بھی چل گیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی سپہ سالاری میں لشکرِ اسلام نے حنین کا رُخ کیا۔ اسلامی لشکر کی پیش قدمی کا مقصد یہ تھا کہ بنو ہوازن اور اس کے حلیفوں کو مکہ معظمہ پر حملہ کرنے سے روکا جاسکے۔ مسلمان اپنے لشکر کی تعداد دیکھ کر غرور میں مبتلا ہوگئے کہ اتنے بڑے لشکر کو کون شکست دے سکتا ہے؟ اس غزوہ کے نتیجے میں جو کچھ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان لفظوں میں کیا۔

''اور جنگ حنین کا دن یاد کرو۔ جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے۔ تو دیکھو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود بھی تمہارے لئے تنگ ہوگئی اور بالآخر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے''۔ (سورۃ التوبہ ۹:۲۵)

جونہی مسلمان فوج حنین کی تنگ گھاٹیوں میں پہنچی۔ کفار کی گھات لگائی ہوئی فوج نے تیروں کی برسات کردی۔ ابھی دن کا اجالا نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں میں خلفشار پڑ گیا۔ دشمن کے حملے سے گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ان کی بدحواسی نے پورے لشکر کی ہمت کو پست کر دیا حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ اپنے خچر پر سوار ایک جگہ اپنے چند ساتھیوں سمیت تنہا رہ گئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے با آواز بلند مسلمانوں کو خطاب کیا۔

اَنَا النَّبِیُّ لاَ کَذِبُ ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

ترجمہ: ''میں نبی ہوں جھوٹا نہیں' میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں''

حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ پکارے۔ ''اے گروہ انصار' اے حدیبیہ میں زیرسایہ درخت بیعت کرنے والو''۔ یہ پکار کام کر گئی اور جس نے بھی سنا لبیک لبیک کہتا ہوا فوراً واپس پلٹا، لحہ بہ لحہ تعداد بڑھتی گئی۔ ایک دوسرے کو واپس آتے دیکھ کر مجاہدین کے قدم پھر جمنے لگے۔ ایک بار پھر گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ اب مجاہدین کفار کو پیروں تلے روندنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے با آواز بلند فرمایا مجاہدین ہمت مت ہارو، لڑائی نے زور پکڑ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ آنحضرت ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں دشمن کی طرف پھینکیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ نے ہولناک صورت اختیار کر لی۔ بنو ہوازن بنو ثقیف اور ان کے ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ اب میدانِ جنگ میں رہنے کا نتیجہ موت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے۔ عورتوں کی چیخ و پکار اور بچوں کی گریہ وزاری بھی بڑے بڑے بہادروں کو نہ روک سکی۔ دشمن کثیر مال غنیمت اور ۷۰ لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گیا اور اہلِ ایمان کو فتح نصیب ہوئی۔

غزوۂ تبوک

جنگ موتہ ۸ ہجری میں مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیوں کو بدترین شکست نے رومیوں کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ قیصرِ روم ہرقل نے مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی قوت و حشمت کو قطعی طور پر نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہرقل نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے چالیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکرِ جرار تیار کیا۔ اس کی مدد کے لئے اردگرد کے عیسائی قبائل بھی اس سے آملے۔

شام کی طرف سے آنے والے ایک تجارتی قافلے کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے شام میں ایک بڑی فوج اکٹھی کی جارہی ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ اس بار دشمنوں پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ آئندہ اسے ایسی جرأت کرنے کی ہمت نہ ہو۔ ان دنوں موسم کا یہ حال تھا کہ شدید گرمی تھی بلا کا حبس اور مدینہ سے تبوک تک کا سفر انتہائی طویل' راستے میں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا مگر حضور ﷺ نے فیصلہ کن جنگ کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس جنگ کے لئے کثیر مالی امداد کی ضرورت تھی۔ صحابہ کرامؓ نے بہت ایثار کا مظاہرہ فرمایا اور دل کھول کر اسلامی لشکر کی مدد کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو کچھ گھر میں تھا سب دے دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے گھر کا نصف مال دے دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے تین سو اونٹ اور ہزار اشرفیاں دیں۔ جذبۂ ایثار کا یہ

عالم تھا کہ حضرت ابو عقیل انصاریؓ نے دن بھر کی مزدوری نذرِ خدمت کر دی۔ خواتین نے اپنے زیورات پیش کر دیئے۔

رجب سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں تیس ہزار مجاہدینِ اسلام کا لشکر شام کی طرف روانہ ہوا۔ جس میں صرف دس ہزار سوار تھے۔ بیس ہزار کی تعداد پیدل چلنے پر مجبور تھی۔ پانچ سو میل کا طویل فاصلہ طے کرنے میں ایک ماہ کی شدید تکالیف لشکرِ اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم نہ روک سکیں۔

قیصرِ روم ہرقل ابھی فوجیں جمع کرنے ہی میں مصروف تھا کہ سرفروشانِ اسلام تبوک پہنچ گئے۔ ہرقل مسلمانوں کی اس دلیرانہ پیش قدمی اور مجاہدانہ اقدام سے ایسا مرعوب ہوا کہ جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی۔ دشمنانِ اسلام پر مسلمانوں کی قرب و جوار اور دور دراز تک ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ ایلہ کے رئیس نے رسولِ برحق ﷺ سے خود صلح کی درخواست کی اور جزیہ ادا کرنے پر تیار ہو گیا۔ دومۃ الجندل کا حاکم حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اس نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ تبوک میں بیس دن قیام کے دوران دوسرے کئی عیسائی سرداروں نے بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس صورتحال سے شامیوں اور رومیوں کے رہے سہے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدینِ اسلام کو ایسی اخلاقی فتح سے سرفراز فرمایا کہ دور دور تک مسلمانوں کی عسکری شان و شوکت قائم ہو گئی۔

مشق

1۔ ذیل میں دیئے گئے سوالات کے جوابات اپنی کاپیوں پر لکھیں۔

(i کفر و اسلام کا پہلا معرکہ کون سا تھا؟ اس جنگ کے اسباب تحریر کریں۔

(ii غزوۂ احد کے واقعات اپنے لفظوں میں مختصراً بیان کریں۔

(iii غزوۂ خندق کے اسباب، واقعات اور نتائج مختصراً بیان کریں۔

(iv غزوۂ خیبر کا پس منظر بیان کریں۔

(v فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے کس طرح کے اخلاق کا مظاہرہ فرمایا؟ تفصیل سے لکھیں۔

(vi غزوۂ حنین کے حالات تحریر کریں۔

(vii غزوۂ تبوک کے اسباب و واقعات مختصراً بیان کریں۔

2۔ مختصر جواب تحریر کریں۔

(i غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کس چیز نے عُجب میں مبتلا کیا تھا نیز اس عُجب سے انہیں کیا نقصان پہنچا؟

(ii غزوۂ تبوک میں ہرقل تیاری کے باوجود مسلمانوں سے لڑا کیوں نہیں؟

(iii غزوۂ احزاب کو غزوۂ احزاب کیوں کہتے ہیں؟

(iv حنین کی جنگ میں مسلمانوں کے عُجب اور انجام کو قرآنِ مجید نے کن لفظوں میں بیان کیا ہے؟

(v فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے حرمِ کعبہ میں جا کر سب سے پہلے کیا کیا؟

(vi خیبر کے یہودی مسلمانوں سے کن وجوہات کی بناء پر آمادہ جنگ تھے؟

(vii غزوۂ بدر کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے کیا دعا فرمائی تھی؟

(viii غزوۂ خندق کے موقع پر شدید آندھی کا چلنا، ہانڈیاں اور چولہوں کا الٹ جانا اور بجھ جانا، کفار کے خیموں کا اکھڑ جانا کس بات کی طرف اشارہ تھا؟

3۔ درست جواب کا انتخاب کریں۔

(i ’’انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب‘‘ یہ جملے حضور ﷺ نے کس موقع پر ارشاد فرمائے؟

(غزوۂ خیبر کے موقع پر ۔ غزوۂ حنین کے موقع پر ۔ غزوۂ بدر کے موقع پر)

(ii مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جبکہ کفار ۱۰۰۰ تھے۔

(غزوۂ خندق ۔ غزوۂ بدر ۔ غزوۂ احد)

(iii آنحضرت ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو پہاڑی درّے پر تعینات فرمایا۔

(جنگ احد میں ۔ جنگ تبوک میں ۔ جنگ خیبر میں)

(iv حضرت علیؓ نے مرحب نامی سپہ سالار کو ہلاک کیا۔

(غزوۂ تبوک میں ۔ غزوۂ احزاب میں ۔ غزوۂ خیبر میں)

(v اسلامی لشکر کی تعداد ۳۰ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔

(غزوۂ تبوک میں ۔ غزوۂ خیبر میں ۔ غزوۂ احزاب میں)

(vi غزوۂ حنین واقعہ ہے۔

(۶ ہجری کا ۔ ۸ ہجری کا ۔ ۹ ہجری کا)

(vii فتح مکہ کے موقع پر اسلامی لشکر کی تعداد تھی۔

(۱۰ ہزار ۔ ۱۲ ہزار ۔ ۱۴ ہزار)

4۔ خالی جگہ مناسب الفاظ سے پُر کریں۔

(i دو نو عمر مجاہدوں .... اور .... نے ابو جہل کو جہنم واصل کیا۔

(ii خندق کھودنے کا مشورہ حضرت.......... نے دیا۔

(iii جنگ بدر میں عتبہ، شیبہ اور ولید کا مقابلہ حضرت..........، حضرت..........اور حضرت..........سے ہوا۔

(iv کفار مکہ نے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کیلئے..........بھرپور تیاری کی۔

(v غزوۂ احد میں کفار کی تعداد..........تھی۔

(vi غزوۂ بدر میں..........کافر مارے گئے۔

(vii غزوۂ احد میں تیر انداز دستے کی کمان حضرت..........کے پاس تھی۔

(viii غزوۂ..........میں آنحضرت ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔

(ix غزوۂ احزاب میں اتحادی لشکر..........۵ ہجری کو مدینہ پہنچا۔

(x یہودیوں کی طاقت کا سب سے بڑا مرکز..........تھا۔

(xi فتح مکہ..........ہجری کا واقعہ ہے۔

(xii حضرت..........نے درِ خیبر اکھاڑ پھینکا۔

(xiii جنگ احد میں..........اپنے ۳۰۰ سواروں کو لیکر اسلامی لشکر سے علیحدہ ہوگیا۔

(xiv غزوۂ..........کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے گھر کا سارا سامان پیش کر دیا۔

(xv غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت..........نے دن بھر کی اجرت نذرِ خدمت کر دی۔

(ج) اخلاق و آداب

ا۔ علم کی اہمیت و فضیلت

مقاصد تدریس

اس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ۔

☆ علم کا مفہوم بیان کرسکیں گے۔
☆ علم کی اہمیت جان سکیں گے۔
☆ عہدِ رسالت ﷺ میں علم کی اشاعت کا مقصد جان سکیں گے۔
☆ علم کی فضیلت بیان کرسکیں گے۔

علم کا مفہوم

علم کے معنی جاننا اور آگاہ ہونا کے ہوتے ہیں۔ علم انسان کی اتنی بڑی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر انسان دین و اخلاق پر عمل ہی نہیں کرسکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے نزول کا آغاز لفظ اِقْرَاْ سے کیا جس کے معنی ہیں پڑھیئے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر سورہ العلق کی پہلی پانچ آیات پہلی وحی کے طور پر نازل فرمائیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے علم اور قلم کی فضیلت بیان فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"پڑھیئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا"۔

علم کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے فرض قرار دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ۔ (ابن ماجہ، بیہقی باب العلم)

ترجمہ: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے"

علم کی اہمیت

ہمارے نبی پاک ﷺ نے بھی علم کو بڑی اہمیت دی ہے کیونکہ قرآن علم کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ قرآن و سنت کے مندرجہ ذیل فرمودات اور ارشادات سے علم کی مزید اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

ا۔ انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے، اسے علم ہی کی وجہ سے باقی مخلوقات پر یہ فضیلت حاصل ہے۔ علم ہی کی وجہ سے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے واضح ہوا کہ علم انسان کے لئے عظمت کی بنیاد ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے بندے اللہ سے یوں دعا کریں۔

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًاo (سورۃ طٰہٰ۔۱۱۴)

''اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما''

۳۔ نبی کریم ﷺ ایک دن مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام کے دو گروہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک گروہ ذکر و فکر میں اور دوسرا علم کی درس و تدریس میں مصروف تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا دونوں گروہ بھلائی کے کام میں لگے ہوئے ہیں لیکن آپ ﷺ نے علم سیکھنے اور سکھانے والوں کی مجلس میں بیٹھنا پسند کیا اور ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ (مشکوۃ المصابیح جلد اوّل۔ حدیث ۱۶۵)

(''بلاشبہ میں علم سکھانے کے لئے بھیجا گیا ہوں'')

عہدرسالت ﷺ میں اشاعتِ علم

حضور ﷺ دنیا کو جہالت کی تاریکیوں سے نکالنے کے لئے تشریف لائے۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو تعلیم و تربیت سے نوازا اور اپنے ماننے والوں کو علم اور تعلیم عام کرنے کی رغبت دلائی۔ آپ ﷺ کی ترغیب سے مدینہ منورہ اور باہر کے کئی شہروں میں تعلیمی مراکز قائم ہوگئے۔ آپ ﷺ کے نزدیک تعلیم کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنگِ بدر کے پڑھے لکھے قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر ہوا کہ وہ آزاد ہونے کے لئے مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھادیں۔

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابی کو غیر ملکی زبانیں سیکھنے کی ترغیب دلائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابتؓ جیسے صحابی نے عبرانی، سریانی، حبشی اور فارسی زبانیں سیکھ لیں۔ اس صحابی کو کاتب وحی رہنے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔

حصولِ علم کی اہمیت

علم حاصل کرنا مسلمان کے لئے لازم ہے۔ علم حاصل کرنے سے بڑی کوئی عبادت نہیں۔

انسان میں تقویٰ اور خوفِ خدا علم سے ہی آتا ہے۔ آخرت کی نجات کا انحصار علم و عمل پر ہی ہے کہ انسان یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اللہ کی رضا کیسے حاصل ہوتی ہے اور پھر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ نے اپنے کلام میں فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُاo (سورۃ فاطر۔۳۵:۲۸)

''اللہ سے اس کے عالم بندے ہی ڈرتے ہیں''

ہمارے نبی پاک ﷺ نے ہمیں علم حاصل کرنے اور اس کی اشاعت کرنے کی تعلیم دی ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَ لَوْ اٰیَۃًo (صحیح بخاری۔ حدیث ۳۴۶۱)

''مجھ سے ایک آیت بھی سنو تو اسے آگے پہنچادو''

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے وقت حاضرین کے ذمے یہ فرض قرار دیا کہ وہ آپ ﷺ کی باتوں کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

''جو حاضر ہے وہ میری تعلیم کو ان لوگوں تک پہنچا دے جو یہاں حاضر نہیں ہیں''

علم کی فضیلت

علم بڑی فضیلت والی چیز ہے۔ اس کا سیکھنا بھی عبادت اور سکھانا بھی عبادت ہے۔ قرآنِ کریم نے علم حاصل کرنے والوں کو درجات کی بلندی کی خوشخبری سنائی ہے۔ سورۃ المجادلہ میں اللہ کا ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ (سورۃ المجادلۃ۔۵۸:۱۱)

''اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا''

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے علم کی مجلسوں کو جنت کی پھلواریاں کہا ہے۔ علم کی فضیلت کے بارے میں چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے وہ دراصل جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلتا ہے۔

۲۔ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستے پر چلا تو سمجھو کہ اللہ نے اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا دیا''۔ (ترمذی۔۲۶۸۲)

علم کا لفظ اگرچہ مطلق جاننے کے لئے مستعمل ہے اور اس سے ہر وہ علم مراد ہو سکتا ہے جو انسانیت کے لئے نفع، راحت اور سہولت کا باعث ہو، جس میں تمام علوم و فنون شامل ہیں۔ لیکن درج بالا آیات و احادیث کے سیاق و سباق سے اور دیگر بے شمار روایات سے یہ بات ظاہر ہے کہ علوم میں نمایاں فضیلت علمِ دین، علمِ قرآن و تفسیر، علومِ حدیث، علم الفقہ، علم اصولِ دین اور علم سیرت الرسول ﷺ کو حاصل ہے۔ دینی علوم کے حصول کو ہمارے اسلاف نے اپنے لئے سرمایہ آخرت کے طور پر حاصل کیا۔ اس کی حفاظت اور اشاعت کے لئے زندگیاں وقف کر دیں اور قرآن و حدیث اور تمام علومِ شرعیہ و دینیہ کے حصول کو لازمی قرار دیا ہے تاکہ انسانیت کی رہنمائی کے لئے یہ شمعیں ہمیشہ جلتی رہیں۔ جس کی آجکل کے جہالت زدہ انسانیت کو بہت اشد ضرورت بھی ہے۔

۳۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ۔ (ترمذی، کتاب العلم)

''عالم کو عابد پر ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی فضیلت چاند کو ستاروں پر ہے''

۴۔ علم حاصل کرنے والے کی فضیلت آپ ﷺ نے یوں بیان فرمائی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”کہ علم حاصل کرنے والے کے لئے کائنات کی ہر شے دُعا کرتی ہے“۔ (ترمذی۔ حدیث ۲۶۸۵)

۵۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرتا ہے اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں“۔ (سنن ابوداؤد۔ حدیث ۳۶۴۱)

۶۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”مومن کا پیٹ علم سے مرتے دم تک نہیں بھرتا یہاں تک کہ جب وہ مرجاتا ہے تو جنت میں پہنچ جاتا ہے“۔ (ترمذی۔ حدیث ۲۶۸۶)

گویا علم حاصل کرنے والے اور علم سکھانے والوں پر برکت ہی برکت ہے۔

۷۔ حضور ﷺ مفید علم کے لئے اللہ کے حضور یوں دعا گو ہوئے اور ہمیں بھی یہ دعا ہمیشہ مانگنی چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا

”اے اللہ میں تجھ سے مفید علم کا سوال کرتا ہوں“

مشق

1۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کریں۔

(i قرآن کی روشنی میں علم کی اہمیت بیان کریں۔

(ii احادیث کی روشنی میں حصول علم کی اہمیت بیان کریں۔

(iii قرآن و حدیث کی روشنی میں علم کی فضیلت بیان کیجئے۔

2۔ مندرجہ ذیل بیانات کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک مناسب جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

(i علم کے معنی ہیں:

(الف) جاننا (ب) آگاہ کرنا (ج) الف، ب دونوں (د) مان لینا

(ii اللہ کا اپنے بندوں پر ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے عطا کیا:

(الف) علم (ب) مال و دولت (ج) شکل و صورت (د) جاہ و جلال

(iii آپ ﷺ نے فرمایا ”میں بھیجا گیا ہوں“:

(الف) حکمران بنا کر (ب) معلم بنا کر (ج) محاسب بنا کر (د) حکیم بنا کر

(iv مسلمانوں کو سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیے:

(الف) کاروبار کی طرف (ب) علم کی طرف

(ج) اہل وعیال کی طرف (د) گھربار کی طرف

v) اللہ کے نزدیک عالم برابر نہیں ہے:

(الف) جاہل کے (ب) نادان کے (ج) اَن پڑھ کے (د) ناسمجھ کے

vi) ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں تشریف لائے تو دو مجلسوں میں سے کس مجلس میں شریک ہوئے:

(الف) ذکر کی مجلس میں (ب) دعوت کی مجلس میں

(ج) علم کی مجلس میں (د) بحث ومباحثہ کی مجلس میں

vii) نبی کریم ﷺ نے فرمایا علم کی مجلسیں ہیں:

(الف) جنت کے باغات (ب) جنت کے محلات

(ج) جنت کے میوے (د) جنت کی پھلواریاں

viii) آنحضرت ﷺ صبح شام اللہ سے دعا مانگتے تھے "اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں:

(الف) کاروبار کی ترقی کی (ب) نفع دینے والے علم کی

(ج) نفع دینے والی تجارت کی (د) نفع دینے والی زراعت کی

ix) نبی کریم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے کہ "اے میرے ربّ اضافہ فرما:

(الف) میری دولت میں (ب) میری ریاست میں

(ج) میرے علم میں (د) میری بصارت میں

x) علم انسان کے لئے بنیاد ہے:

(الف) عظمت کی (ب) امارت کی (ج) شہرت کی (د) دولت کی

2۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

i) نبی کریم ﷺ نے حصول علم کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا؟

ii) نبی کریم ﷺ اپنے علم میں اضافے کے لئے کون سی دعا فرمایا کرتے تھے؟

iii) مسلمانوں کو کس قسم کے علوم حاصل کرنا چاہئے؟

iv) علم کی تلاش کے لئے اسلام کیا درس دیتا ہے؟

v) حصولِ علم کا فائدہ کیا ہے؟

vi) علم کی فضیلت کس چیز سے ثابت ہوتی ہے؟

vii) حصولِ علم کے لئے ہماری دعا کیا ہونی چاہئے؟

viii) علم کی اشاعت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

ix) حصولِ علم کیلئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک بیان کریں۔

۲۔ اسلام میں خاندان کی اہمیت

مقاصد تدریس

اس سبق کی تکمیل کے بعد۔

☆ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں خاندان کی اہمیت سے طلباء کو واقفیت ہوگی۔

☆ احادیث نبوی سے خاندان کی اہمیت کو اُجاگر کرسکیں گے۔

☆ خاندان کی افادیت اور مقاصد سے آگاہی حاصل کریں گے۔

تعارف

خاندان اور کنبے کے متعلق بات کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک اجمالی نظر اس کائنات اور اس میں پائے جانے والے موجودات پر ڈالی جائے اور کائنات کی فطرت اور مزاج کا تھوڑا سا مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی اہمیت مزید عیاں ہو جائے گی۔

کائنات کی فطرت اور قانون زوجیت

ربّ کائنات خالق موجودات کا فرمان ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ
وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ۝ (سورۃ یٰس۔۳۶:۳۶)

ترجمہ: ’’ہر عیب سے پاک ہے‘ وہ ہستی جس نے ہر شے کا جوڑا بنا کر پیدا کیا۔ ان اشیا کی بھی جسے زمین اُگاتی ہے اور اُن کے اپنے نفوس کی بھی اور اُن چیزوں کی بھی جوڑی بنائی جن کو یہ نہیں جانتے‘‘۔

سورہ ذاریات میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

وَ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ۔ (سورۃ الذاریات ۵۱:۴۹)

ترجمہ: ’’اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنا کر پیدا کیے تا کہ تم نصیحت حاصل کرسکو‘‘۔

ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ زوجیت اور جوڑا جوڑا ہونے کا یا بالفاظ دیگر خاندان کا یہ دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں۔ جس میں حیوانات‘ نباتات‘ جمادات‘ صامت و ناطق الغرض کائنات کی ہر شے شامل ہے۔ اس قانون سے کائنات کا کوئی ذرہ مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اس کی حقیقت کا علم نہیں پاسکے۔

چونکہ انسان بھی کائنات کا حصہ ہے بلکہ اسے اشرف المخلوقات کا رتبہ و مقام حاصل ہے۔ اس لئے اس قانون فطرت کا یہ پابند ہے بلکہ رب ذوالجلال نے اس کو کائنات کے دوسرے عناصر اور موجودات پر برتری اور فوقیت دی ہے اور اسے

خلیفۃ اللہ فی الارض کا مقام عطا کیا ہے تو اس فوقیت کا تقاضا بھی ہے کہ انسان کے اجزاء ترکیبی' اس کے خاندان' اس کے کنبے اور اس کے بقاء اور تسلسل کا نظام زیادہ واضح، منظم اور قابل فہم ہو اور اس کو قابل عمل بنانے کے واضح اصول اور ضوابط ہونے چاہئیں۔

خاندان

انسانوں کے اُس معاشرتی گروہ کا نام ہے جس کے ارکان ازدواجی اور خونی رشتوں کے اٹوٹ بندھنوں سے بندے ہوتے ہیں۔ خاندان کے اہم عناصر میں ماں باپ، میاں بیوی اور اولاد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ سلسلہ بتدریج وسعت اختیار کر کے دادا دادی، نانا نانی، خالہ ماموں اور چچا بھتیجے کی شکل میں کنبے کی صورت اختیار کرتے ہیں اور معاشرے کی بنیادی اکائی بن جاتے ہیں۔

خاندان کا آغاز

اس کائنات ارضی پر آباد ہونے والا پہلا کنبہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ بنا کر جب پہلی بار زمین پر بھیجا تو اس کے لئے خاندان کا انتظام بھی کرلیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَ نِسَآءًo (سورۃ النساء ۴:۱)

ترجمہ: ”جس نے تم کو ایک جان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں“۔

معلوم ہوا کہ زمین پر خلافت کا انتظام سنبھالنے کے لئے نسلِ انسانی کی بقاء ضروری ہے اور یہ ضرورت خاندان کے ذریعے ہی پوری ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء کرام کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّیَّۃًo (سورۃ الرعد ۳۸)

ترجمہ:۔ ”ہم نے آپ ﷺ سے قبل بہت سے رسولوں کو بھیجا اور ان کو بیوی بچوں والا بنایا“۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء کرام جو دنیوی الجھنوں سے امکانی حد تک گریزاں رہتے تھے تجرّد کی زندگی بسر کرتے تھے بلکہ خانگی زندگی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہوتے تھے۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں رقمطراز ہیں کہ قرآن مجید میں جتنے انبیاء کا ذکر ہے سب شادی شدہ اور صاحب خانہ تھے۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر یہ سنت ادا فرمائیں گے۔

متعدد احادیث مبارکہ میں خاندانی اور اہلی زندگی اختیار کرنے کی تاکید آئی ہے۔

۱۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اے جوانو! تم میں جو آدمی (مہر و نفقہ) کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرے۔ کہ نکاح نگاہوں کو نیچا کر دینے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے''۔ اور جو نکاح نہ کر سکے تو اس کو چاہئے کہ روزے رکھے کیونکہ روزہ شہوت کو کچلتا ہے۔ (متفق علیہ)

۲۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کہ نکاح میری سنت ہے۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ ہم میں سے نہیں''۔ (متفق علیہ)

۳۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ صالح اور دیندار بیوی دنیا کی افضل ترین متاع ہے۔ (کنزل العمال)

۴۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچہ ماں باپ کے لئے مہکتا ہوا پھول ہے۔ (کنزل العمال ج ۸)

اسلام میں خاندان کی اہمیت

کنبہ اور خاندان انسانی معاشرے کی پہلی اکائی ہے۔ زندگی کا آغاز اسی سے ہوتا ہے اور انسانی تمدن و معاشرے کی یہ پہلی اینٹ ہے۔ خاندان کی اساس مرد و زن کا باہمی ملاپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام خاندان اور کنبے کے دونوں عناصر خواہ عورت ہو خواہ مرد' دونوں کو یکساں اہمیت دیتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا دائرہ کار متعین کرتا ہے۔ ہر ایک کے لئے اس کے حقوق کا تعین کرتا ہے اور ہر ایک کے فرائض اور ذمہ داریوں کا اعلان کرتا ہے اور ان حقوق اور فرائض کی ادائیگی پر زور دیتا ہے۔

خاندان کے مقاصد

انسان مدنی الطبع ہے۔ یہ لفظ اُنس کے مادے سے نکلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے مجرم کو قید تنہائی کی سزا دی جاتی ہے جو کہ انسان کی طبیعت کے منافی ہے۔ مذکورہ بالا آیات و حدیث کی روشنی میں خاندان کے مندرجہ ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں۔

۱۔ انسانی دل میں ایک ایسا خانہ ہے کہ صرف زواج ہی سے تسکین پاتا ہے اور انسان کو سکون و اطمینان ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونے سے ہی ملتا ہے اسی لئے فرمایا 'لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا'' (تاکہ تم سکون پا سکو)۔

۲۔ گھر حقیقت کا روپ اس وقت دھار لیتا ہے جب اس میں خاتونِ خانہ موجود ہو۔

۳۔ نِسَاءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ۔ بیوی شوہر کے لئے کھیتی کی حیثیت رکھتی ہے اور نسلِ انسانی کا تسلسل اسی سے وجود پاتا ہے۔

۴۔ ماں کی گود میں بچے پرورش پا کر اوصاف حمیدہ کی تربیت پاتے ہیں۔ ان کے مزاج کی نشوونما ہوتی ہے۔ ان کی استعداد اور صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ زبان سے واقفیت حاصل کرتے اور آداب سیکھتے ہیں۔ دین اور عقیدے کی تعلیم پاتے ہیں اور ان کے اعمال کی صورت گری ہو جاتی ہے۔

۵۔ عفت اور حیاء کی فضا اور ماحول بننے لگتا ہے۔

۶۔ باہمی احترام' مودۃ اور محبت کے جذبات کی نشوونما ہوتی ہے اور سہارا مل جاتا ہے۔ تقسیم کار کے ذریعے زندگی میں

آسانیاں اور مقاصد کے حصول میں سہولت فراہم ہو جاتی ہے۔ اجتماعیت کا ایک مخصوص حلقہ وجود میں آتا ہے۔ جن کے مفادات مشترک ہوتے ہیں۔ سود و زیاں ایک ہوتا ہے۔ لہٰذا کنبہ جتنا قوی ہوگا اتنا ہی معاشرہ مضبوط و توانا ہوگا۔ جن قوموں نے کنبہ اور خاندان کو برباد کیا ہے ان کے مصائب اور مشکلات کا احاطہ اور اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ان حالات سے دوچار ہیں۔ اولاد جیسی نعمت جب انسان کی عمر کے آخری حصے میں میسر ہو تو آرام و سکون اور احترام کی زندگی گزرتی ہے۔ اپنے کاشت کیئے ہوئے کھیت کا ثمر ملنے لگتا ہے اور اپنے اِردگرد باہمی ہمدردی، محبت اور اُلفت کی فضا دیکھ کر جینے کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔

۷۔ خاندان کے ذریعے اسلام ایسے افراد کی تیاری چاہتا ہے کہ جو قوی الجسم، تندرست و صحتمند، پختہ سوچ رکھنے والے، ہنرمند اور کمانے والے ہوں۔ عقیدے میں پختہ، عبادات اور بندگیِ رب کے پابند، نفس اور خواہشات پر قابو رکھنے والے، وقت کی قدر جاننے والے، منصوبہ بندی اور منظم زندگی گزارنے والے ہوں۔ دوسروں کو نفع اور خیر پہنچانے والے ہوں۔ حقوق کی پاسداری کرنے والے، ملک و قوم کے محافظ و نگہبان ہوں۔ خیر اور نیکی پھیلانے والے ہوں۔ منکرات کو مٹانے اور آسانیاں پیدا کرنے والے ہوں۔

مشق

1۔ خالی جگہوں کو آیات اور احادیث کے مطلوبہ الفاظ سے پُر کر کے جملے مکمل کریں۔

(i) و من کل شیءٍ .... لعلکم تذکرون۔ (ہم نے جوڑے بنا کر پیدا کیا)

(ii) قاعدہ زوجیت سے صرف .... مستثنیٰ ہے۔ اسی لئے تو وہ ....، .... ہے۔ اللہ اَحد ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔

(iii) و جعل بینکم ....۔ (محبت اور رحمت)

2۔ مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جواب لکھیں۔

i) ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہے۔ تفصیل سے بیان کریں۔

ii) اسلام نے عزلت اور تجرد کی زندگی گزارنے کو پسندیدہ عمل قرار نہیں دیا۔ تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

iii) خاندان کے مقاصد اور اہداف بیان کریں۔

iv) انسانیت خاندان کی بربادی سے کن مشکلات سے دوچار ہو جاتی ہے؟

3۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) انسانی معاشرے کی پہلی اکائی کیا ہے؟ (ب) انسانیت کی بقاء اور تسلسل کس ذریعے سے ممکن ہو جاتی ہے؟

(ج) کلیہ زوجیت سے کس کی ذات مبرا ہے؟ (د) کائنات کے ہر ذرّے میں کون سا اصول کارفرما ہے؟

(ہ) بڑے مجرموں کو قیدِ تنہائی کی سزا کیوں دی جاتی ہے؟